ماہنامہ
بانی: غلام حیدر شیخ

برجستہ

چیف ایڈیٹر:
اویس حیدر شیخ

لاہور اور کویت سے بیک وقت اشاعت
ONLINE EDITION
VOLUME: 4 | ISSUE 52 | JUNE 2026

آیت اللہ علی خامنہ ای:
اُمتِ مسلمہ کی مزاحمت کی آواز

A Project By
ETIMAAD اعتماد
PROPERTY NETWORK

ETIMAAD
SIGNATURE HOMES

3 MARLA HOME
3 YEARS INSTALLMENT PLAN

LOCATION: MAIN RAIWIND ROAD MARYAM TOWN

Booking	Digging on confirmation	Monthly Installment	2nd Slab	After 6 Momths	Possession	Total price
750,000	750,000	80,000	1,500,000	536,666	3,900,000	13,000,000

FACING 5 MARLA

Booking	Digging on confirmation	Monthly Installment	2nd Slab	After 6 Momths	Possession	Total price
750,000	750,000	93,000	1,500,000	536,666	3,932,000	13,500,000

03214449225

ISSN # : 3080-9746

ماہنامہ
برجستہ
لاہور اور کویت سے بیک وقت اشاعت

سرورق		فرنٹ
اشتہار		صفحہ 2
فہرست		صفحہ 3
اداریہ	گلگت بلتستان کے انتخابات	صفحہ 4
کالم ومضامین	آیت اللہ خامنہ ای: اُمتِ مسلمہ کی مزاحمت کی آواز	صفحہ 5
کالم ومضامین	نیا زمانہ۔۔۔جدید ٹیکنالوجی اور ہماری ماضی	صفحہ 6
کالم ومضامین	پانی کا بحران اور کالا باغ ڈیم	صفحہ 7-8
کالم ومضامین	3 جون: یوم اعلانِ قیامِ پاکستان	صفحہ 9-10
کالم ومضامین	عجیب قسم کی جنگ تھی!	صفحہ 11
کالم ومضامین	گوہرِ نایاب	صفحہ 12-13
کالم ومضامین	کام پورا تنخواہ آدھی! برطانیہ میں زندہ رہنما بھی مشکل	صفحہ 14-15
کالم ومضامین	قربانی! منشورِ بندگی اور فلسفۂ تسلیم ورضا	صفحہ 16
کالم ومضامین	سیالکوٹ میں ٹیکنالوجی اینڈ انوویشن سمٹ 2026ء	صفحہ 17
کویت ڈائری	کویت: سفارتخانہ پاکستان میں ''معرکہ حق'' کی پہلی سالگرہ پروقار تقریب	صفحہ 18
کویت ڈائری	کویت: پاک ڈونرز کے زیر اہتمام 33 ویں بلڈ ڈونرز کیمپ کا انتہائی کامیاب انعقاد	صفحہ 19
کویت ڈائری	کویت: سفیر پاکستان ڈاکٹر ظفر اقبال کی کویت کے قائم مقام وزیر دفاع و وزیر داخلہ شیخ عبداللہ علی السالم الصباح سے ملاقات	صفحہ 20
انقرہ ڈائری	پاکستان، ترکیہ: خلافت تحریک سے اب تک ایک لازوال برادرانہ رشتہ	صفحہ 21-22
آئینہ سخن	آئینہ سخن۔۔۔۔۔شکیل بدایونی	صفحہ 23
اشتہار		صفحہ 24
ایک شاعر ایک تعارف	معروف شاعر: ساغر صدیقی	صفحہ 25
طب وسائنس	ذہنی دباؤ سے بچاؤ	صفحہ 26
دین حق	منشیات کی روک تھام کے عملی اقدامات	صفحہ 27-28
بچوں کی کہانیاں	دادا کا کھلونا	صفحہ 29
کھیل کھلاڑی	میر پور ٹیسٹ: سٹے بازی کے ناقابل تردید ثبوت	صفحہ 30
فلمی دُنیا	ڈرامہ سیریل ''بس تیرا ساتھ ہو بس'' مقبولیت میں سب کو پیچھے چھوڑ گیا	صفحہ 31
اشتہار		صفحہ 32

اشتہارات کے لئے رابطہ کریں
+92-322-5300-703 FOR PAKISTAN
+965-6600-6571 FOR KUWAIT

گلگت بلتستان کے انتخابات

گلگت بلتستان اسمبلی کے انتخابات جیتنے کے لیے سیاسی جماعتوں کی انتخابی مہم میں تیزی آ گئی ہے۔مختلف سیاسی جماعتیں عوامی اجتماعات کا انعقاد کر رہی ہیں اور کوشش کر رہی ہیں کہ اپنی اپنی جماعتوں کے امیدواروں کو جتوایا جا سکے۔انتخابی مہم کا سلسلہ 5 جون رات 12 بجے تک جاری رہے گا جبکہ پولنگ 7 جون کو ہوگی۔دو روز قبل الیکشن کمیشن گلگت بلتستان نے نئی انتخابی فہرست کے بجائے پرانی الیکٹورل لسٹ (الیکٹورل رول 2026ء) کو قابلِ قبول قرار دے دیا ہے۔میڈیا رپورٹس کے مطابق پرانے الیکٹورل رول جاری کرنے کا فیصلہ نئی انتخابی فہرست میں بے شمار غلطیوں کی شکایات سامنے آنے کے بعد کیا گیا۔متعلقہ الیکشن کمیشن کے اعداد و شمار کے مطابق گلگت بلتستان میں رجسٹرڈ ووٹروں کی مجموعی تعداد نو لاکھ 58 ہزار 480 ہے جن میں پانچ لاکھ تین ہزار 772 مرد جبکہ چار لاکھ 54 ہزار 708 خواتین ووٹر شامل ہیں۔انتخابات میں سیاسی جماعتوں کے امیدواروں کے طور پر اور آزاد حیثیت سے مجموعی طور پر 396 امیدوار حصہ لے رہے ہیں آزاد امیدواروں کی تعداد جماعتی نمائندوں کے مقابلے میں دوگنا سے بھی زیادہ ہے۔پاکستان پیپلز پارٹی 23 امیدواروں کے ساتھ سب سے آگے ہے جبکہ استحکام پاکستان پارٹی کے 15 اور پاکستان مسلم لیگ کے 11 امیدوار انتخابی میدان میں ہیں،صرف آٹھ خواتین امیدوار حصہ لے رہی ہیں جو مجموعی امیدواروں کی تعداد کے مقابلے میں انتہائی کم شرح ہے۔انتخابات میں تین ٹیکنوکریٹس اور چھ خواتین یعنی مجموعی طور پر نو مخصوص نشستوں کیلئے سات سیاسی جماعتوں نے اپنے امیدواروں کی ترجیحی فہرستیں جمع کرادی ہیں۔الیکشن کمیشن مخصوص نشستیں 7 جون کے انتخابات میں کامیاب جماعتوں کو متناسب نمائندگی کی بنیاد پر دے گا۔الیکشن کمیشن نے دفعہ 234 نافذ کرتے ہوئے صدر، وزیر اعظم، وفاقی وزراء اور چیئرمین سینیٹ کی انتخابی مہم میں شرکت پر پابندی عائد کر دی ہے۔چیف الیکشن کمشنر کا کہنا ہے کہ گلگت بلتستان انتخابات میں ضابطہء اخلاق پر ہر صورت عملدرآمد یقینی بنایا جائے گا،تمام سیاسی جماعتیں الیکشن کمیشن کے لیے یکساں اہمیت رکھتی ہیں،انتخابی ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی ہرگز برداشت نہیں کی جائے گی،کسی بھی اُمیدوار نے اِس کی خلاف ورزی کی تو اُسے نااہل قرار دیا جا سکتا ہے۔چیف الیکشن کمشنر نے یہ بھی واضح کیا کہ ضابطہء اخلاق کی خلاف ورزی پر امیدوار یا متعلقہ فرد کو گلگت بلتستان سے بھی بے دخل کیا جا سکتا ہے۔

دوسری جانب پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین بلاول بھٹو زرداری کا گزشتہ روز ''شِگر'' میں جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہنا تھا کہ گزشتہ انتخابات میں اُن کی جماعت کی نو سیٹیں چوری کی گئی تھیں،اُمید ہے اِس بار کوئی سیٹ چوری نہیں ہوگی۔اُنہوں نے کہا کہ پیپلز پارٹی صاف اور شفاف انتخابات کا مطالبہ کرتی ہے،اُمیدوار کو فارم 45 یقینی بنانا ہے جبکہ فارم 47 کا بندوبست وہ خود کریں گے۔بلاول بھٹو کا کہنا ہے کہ پیپلز پارٹی نے پسماندہ طبقوں کی نمائندگی کی،پاکستان ایٹمی قوت بن کر آج دنیا کے سامنے مضبوط ہو کر کھڑا ہے،قائدِ عوام نے روٹی،کپڑا اور مکان کے نعرے پر عمل بھی کیا تھا۔اُن کے بقول اگر شگر کے عوام کو اختیار دیا جائے گا تو یہاں کے عوام معاشی طور پر ترقی کریں گے،وہ چاہتے ہیں کہ آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کے فیصلے اسلام آباد میں بیٹھا بابو نہیں بلکہ وہاں کے عوام کریں۔دوسری جانب مسلم لیگ ن کے صدر نواز شریف کو الیکشن کمیشن کی طرف سے این او سی جاری کر دیا گیا ہے یوں اب وہ بھی انتخابی مہم میں حصہ لے سکیں گے۔اتوار کو مسلم لیگ ن کے رہنماء خواجہ سعد رفیق کا سکردو میں جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہنا تھا کہ توجہ دی جائے تو گلگت بلتستان سوئٹزرلینڈ بن سکتا ہے۔اُنہوں نے کہا کہ مسلم لیگ ن نے گلگت بلتستان میں مختلف ترقیاتی منصوبوں کا آغاز کیا ہے،یہاں کے عوام نے خطے کی آزادی اور پاکستان کے ساتھ الحاق میں کردار ادا کیا،پاکستان اُن کے احسان کا مقروض ہے۔

گلگت بلتستان میں انتخابی مہم زور و شور سے جاری ہے تاہم بعض سیاسی جماعتوں کی طرف سے لیول پلیئنگ فیلڈ نہ ملنے کی شکایات بھی کی جا رہی ہیں۔پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) کے چیئرمین بیرسٹر گوہر نے سکردو میں کھڑے ہو کر امتیازی سلوک کا الزام لگاتے ہوئے مطالبہ کیا کہ انتخابی مہم کے دوران تمام سیاسی جماعتوں کے ساتھ برابر کا معاملہ کیا جائے۔اپوزیشن رہنما اور سابق سپیکر قومی اسمبلی اسد قیصر کا دو روز قبل کہنا تھا کہ پولیس نے اُنہیں حراست میں لے لیا اور سکردو کی فلائٹ جانے کے بعد چھوڑ دیا،صرف اُن کی وجہ سے پوری فلائٹ متاثر ہوئی اور لوگوں کو تکلیف دی گئی۔اُن کا کہنا تھا کہ اُنہیں کوئی بھی اپنے آئینی اور قانونی حق سے نہیں روک سکتا،ایسے الیکشن کو کون مانے گا؟اِس سے بہتر ہے کہ سلیکشن کر لیں۔خواجہ سعد رفیق کی بھی سکردو کی فلائٹ ایئر پورٹ کے باہر ٹریفک جام کی وجہ سے چھوٹ گئی تھی۔ویسے تو پاکستان میں کوئی بھی انتخاب ایسا نہیں جسے تمام سیاسی جماعتوں نے برضا و رغبت تسلیم کیا ہو تاہم الیکشن کمیشن گلگت بلتستان کو چاہیے کہ وہ اِن انتخابات کو ہر صورت صاف اور شفاف بنائے تا کہ ملک میں موجود سیاسی عدم استحکام میں اضافہ نہ ہو اور تحریک آزادی کشمیر کو تقویت ملے۔

بانی: غلام حیدر شیخ
ماہنامہ
برجستہ
چیف ایڈیٹر: اویس حیدر شیخ
لاہور اور کویت سے بیک وقت اشاعت

ہماری ٹیم

ایگزیکٹو ایڈیٹر: علی حیدر شیخ
ایڈیٹر: اصغر علی کھوکھر
مینجنگ ایڈیٹر: عدیل احمد خان
ڈپٹی ایڈیٹر: عائشہ خان
ریزیڈنٹ ایڈیٹر جدہ: امیر محمد خان
لیڈی ایڈیٹر (یو۔کے): ڈاکٹر رابعہ حیدر
ایڈیٹر کویت: محمد عمر
فوٹو گرافر: ذوالقرنین حیدر
مارکیٹنگ اینڈ سرکولیشن: معیز احمد

آیت اللہ علی خامنہ ای: اُمتِ مسلمہ کی مزاحمت کی آواز

اویس حیدر شیخ

آیت اللہ علی خامنہ ای کو دنیا بھر میں ان کے حامی ایک ایسے رہنما کے طور پر جانتے ہیں جنہوں نے اسلام، مسلم خودمختاری اور مظلوم مسلمانوں کے حقوق کے لیے مضبوط مؤقف اختیار کیا۔ ایران کے لاکھوں عوام اور ان کے چاہنے والوں کے نزدیک وہ صرف ایک سیاسی قائد نہیں بلکہ مزاحمت، استقامت اور اسلامی غیرت کی علامت ہیں۔

ان کے حامیوں کا ماننا ہے کہ آیت اللہ علی خامنہ ای نے ہمیشہ امریکہ اور اسرائیل کی پالیسیوں کے خلاف آواز بلند کی، کیونکہ ان کے نزدیک یہ طاقتیں مشرقِ وسطیٰ میں جنگوں، ظلم اور عدم استحکام کا سبب رہی ہیں۔ فلسطین کے مسئلے پر ان کا سخت مؤقف ان کے چاہنے والوں میں خاص اہمیت رکھتا

ہے، اور وہ سمجھتے ہیں کہ خامنہ ای نے فلسطینی عوام کے حق میں مسلسل آواز اٹھا کر امتِ مسلمہ کے جذبات کی ترجمانی کی۔

ایران میں ان کے حامی اکثر کہتے ہیں کہ انہوں نے اسلام اور مسلم دنیا کی خودمختاری کے دفاع کے لیے سیاسی، سفارتی اور نظریاتی جدوجہد کی۔ ان کے نزدیک یہ ایک ایسی "جنگ" تھی جو صرف ہتھیاروں سے نہیں بلکہ نظریات، استقلال اور مزاحمت کے ذریعے لڑی گئی۔ شدید اقتصادی پابندیوں، عالمی دباؤ اور سیاسی مخالفت کے باوجود خامنہ ای اپنے مؤقف پر قائم رہے، جسے ان کے چاہنے والے ان کی مضبوط قیادت کی دلیل قرار دیتے ہیں۔

آیت اللہ علی خامنہ ای کے حامی انہیں ایک سادہ، دینی اور اصول پسند شخصیت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان کے مطابق انہوں نے ہمیشہ اسلامی اقدار، اتحادِ امت اور نوجوان نسل کی تربیت پر زور دیا۔ ان کی تقاریر میں قرآن، اسلامی تاریخ اور مسلم اتحاد کا ذکر نمایاں رہا، جس کی وجہ سے ان کے چاہنے والے انہیں ایک فکری اور روحانی رہنما بھی سمجھتے ہیں۔

بہت سے ایرانی عوام کا ماننا ہے کہ خامنہ ای نے عالمی طاقتوں کے سامنے جھکنے کے بجائے اسلامی وقار اور قومی خودمختاری کو ترجیح دی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے حامی انہیں مزاحمت کی علامت اور امتِ مسلمہ کی مضبوط آواز قرار دیتے۔

ISSN # : 3080-9746

نیازمانہ

زمانے کی تبدیلی۔۔۔۔
جدید ٹیکنالوجی اور ہماری ماضی

حفیظ اللہ خان

گزشتہ سے پیوسط

گاؤں کے جوانوں کے لیے ایک مثال:

یہ واقعہ گاؤں میں ایک نئی کہانی بن گئی۔ اسماعیل کی قرائت کا چرچا ہر طرف ہونے لگا۔ گاؤں کے نوجوان اب اس سے قرآنی تعلیم حاصل کرنے کی بابت پوچھ رہے تھے۔ اسماعیل نے خوشی خوشی ان کی رہنمائی کا وعدہ کیا۔

یہ صرف ایک نماز نہیں تھی بلکہ اسماعیل کے لیے ایک نئی ذمہ داری کی شروعات تھی۔ اس نے دل میں عہد کیا کہ وہ اپنے علم اور عمل کے ذریعے نہ صرف اپنے گاؤں بلکہ اپنے ملک کے لیے بھی ایک مثال بنے گا۔

اسی رات گھر میں مکمل دینی موضوعات زیر بحث بنی رہیں اسماعیل اور ابو اس موضوع پر گفتگو کرتے رہیں۔

اباجان نے اسماعیل سے پوچھا آپ کی قرائت بالکل اس قاری کی طرح ہے وہ۔۔۔کیا نام ہے جو آج کل یوٹیوب اور سوشل میڈیا پر بڑا مشہور ہے وہ سوڈانی۔۔۔۔۔۔قاری؟ اسماعیل کہنے لگے ہاں اباجان قاری الشیخ نورین محمد صدیق ہیں۔ ان کی پیدائش 1982ء ام دیم سوڈان میں ہوئی تھی۔ انھوں نے سنہ 1990 نکی دہائی کے وسط میں دارالحکومت خرطوم کے مغرب میں واقع اپنے گاؤں ال فاراجاب کے ایک روایتی مدرسے میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے یہی طرز قرائت اپنایا تھا۔

جب بعد میں وہ خرطوم منتقل ہوئے تو انھوں نے شہر کی کئی مساجد میں امامت کی اور لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے۔ یوٹیوب پر ویڈیوز اپ لوڈ ہونے کے بعد وہ مزید مشہور ہو گئے۔

اسماعیل نے بات جاری رکھی "اباجان! یہ سب اللہ کی مہربانی اور یونیورسٹی کے ہاسٹل کی مسجد کے امام صاحب کی محنت کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے مجھے نہ صرف مجھے انفرادی قرائت سکھائی بلکہ اس کی اہمیت بھی سمجھائی۔"

قرائت تو اسلام کا ایک اہم باب ہے۔ کیوں نہیں اباجان۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسماعیل نے مزید کہا:

اگر حروف مخارج سے ادا نہ ہوں تو کس قسم کی شدید غلطیاں ہم سے سرزد ہو سکتی ہیں۔

☆☆☆☆

درستگی قرائت:

سورۂ اخلاص میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، "کہو وہ اللہ ایک ہے"۔ اب اگر یہاں 'ق' کی جگہ 'ک' پڑھیں تو جملہ ہوگا کُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور معنیٰ ہوگا "کھاؤ وہ اللہ ایک ہے"۔ کیونکہ 'قُلْ' کا مطلب ہے 'کہو' اور 'کُلْ' کا مطلب ہے 'کھاؤ'۔ دونوں ہی امر کے صیغے ہیں لیکن ایک حرف کی تبدیلی سے پورا مطلب تبدیل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی جو مراد ہے وہ نہیں رہی۔۔۔۔جاری۔۔۔۔

AL MAALIK ART
GROUP
LAHORE - PAKISTAN
+92-311-149-1458
www.almaalikartgroup.com

ADEEL AHMAD KHAN
CEO

BUSINESS CARD
FAVOR BOX
BROCHURS
TISSUE BOX
POSTER
CAPS
CERTIFICATES
BOOKS & COPIES
TEA MUG
STICKERS
ENVELOPES
PEN
WEDDING CARDS
FILE FOLDER
FLYERS
PRICE TAG
GOODIE BAGS
FLEX STANDEE
PVC CARDS
KEY CHAIN

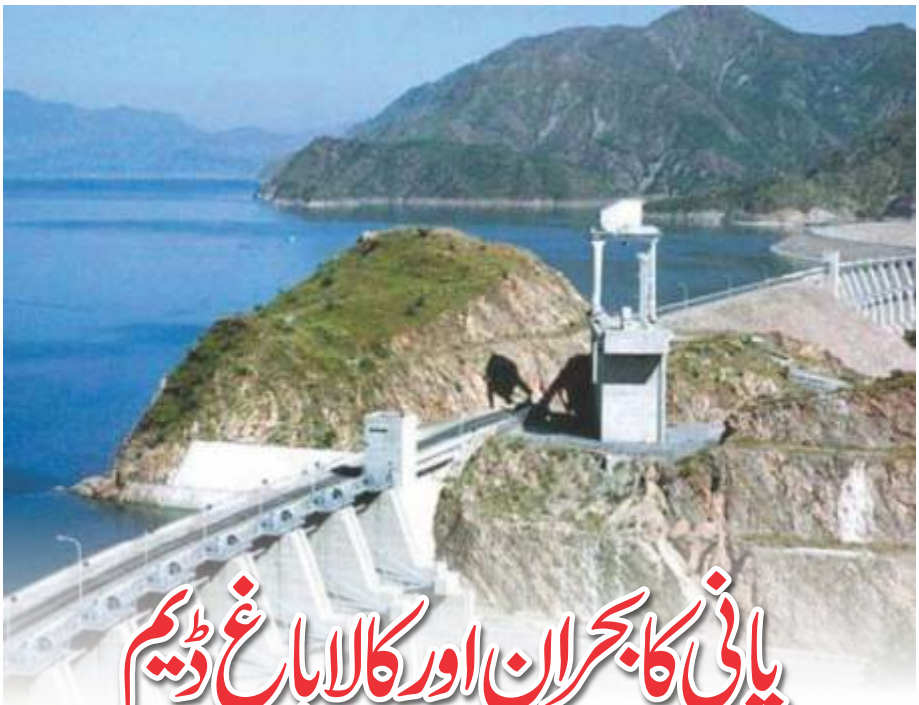

پانی کا بحران اور کالا باغ ڈیم

تحریر وتحقیق: محمد فاروق عزمی

پانی ربِ جلیل کی نعمت عظمیٰ ہے۔ پانی زندگی ہے۔ پانی کے بغیر زندگی کا تصور محال ہے۔ پانی جوہر زندگانی ہے، پانی بہارِ زندگی ہے۔ پانی نہ ہوتو زندگی ویران، دھرتی بنجر، دریا خشک، زراعت اور آبی حیات تباہ، پانی نہ ہونا، زندگانی نہ ہونے کے مترادف ہے -- آنے والا وقت پانی کی شدید قلت کا ہوگا، خیال یہ بھی ہے کہ حصولِ پانی کے لیے جنگیں ہوں گیں، ماہرین کے مطابق آئندہ چندسالوں میں پاکستان کو پانی کے شدید بحران کا سامنا ہو سکتا ہے ہمارے عاقبت نا اندیش حکمرانوں نے کبھی بھی پانی کے مسئلہ کو اہمیت نہیں دی۔لیکن یہ صرف حکمرانوں پر موقوف نہیں زندگی کے دیگر شعبوں کے اعلیٰ دماغوں نے بھی کبھی اس مسئلہ کو اجاگر کرنے کی سعی نہیں کی۔ ہمارے سیاسی راہنما، اساتذہ، پروفیسرحضرات، علمائے کرام، سائنسدان اہلِ دانش وبینش اور ماہرین نے بھی کبھی سنجیدگی سے اس سنگین مسئلے کو حکمرانوں کے سامنے رکھنے کی کوئی قابل ذکر کوشش وکاوش نہیں کی۔مملکتِ خداداد کے اکثر حکمرانوں نے لوٹ مار، رشوت اور کرپشن کا بازار ہی گرم رکھا۔کسی کو اندازہ ہی نہیں کہ 25 کروڑعوام کا ایک ملک آئندہ کچھ ہی برسوں میں پانی کی شدید قلت اور بحران سے بغل گیر ہونے جارہا ہے۔آنے والی نسلیں ہماری اس غفلت کا خمیازہ بھگتیں گیں۔ ہماری زرعی پیداوار بڑھنے کے بجائے گھٹتی جارہی ہے مزید دس سال یہی صورت حال رہی تو پیداوار مزید 30 فی صد کم ہو جائے گی۔جس کا نتیجہ خدانخواستہ "قحط سالی" کی صورت میں سامنے آسکتا ہے۔وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم پانی ذخیرہ کریں، جہاں بھی اور جیسے بھی ممکن ہو زیادہ سے زیادہ ڈیم بنائے جائیں حکومتوں کی پہلی ترجیح ملک میں ڈیم (DAM) بنانے کی ہونی چاہیے۔لیکن ہماری حکومتوں کی ترجیح عوام کو ڈیم فول (DAMNFOOL) بنانے کی ہی رہی ہے۔

پاکستان میں پانی ذخیرہ کرنے کا سب سے بڑا منصوبہ کالا "باغ ڈیم" تھا۔ جسے ہمارے چند متعصب اور قوم پرست سیاستدانوں نے ایسا مسئلہ بنا دیا کہ اب اقتدار کے حریص حکمرانوں کو جرآت ہی نہیں ہوتی کہ ملکی مفاد میں اس مسئلے پر جو کہ مسئلہ نہیں ایک بہترین منصوبہ تھا، بات کریں۔خواہ پاکستان معاشی اور اقتصادی طور پر تباہ و برباد ہوجائے، قحط سالی ہمارا مقدر بن جائے، ہماری آنے والی نسلیں پانی کی بوند بوند کو ترسیں اور اناج کے ایک ایک دانے کی محتاج ہو جائیں۔ علامہ عنایت اللہ خان مشرقی نے 1956ء میں پیشین گوئی کی تھی کہ بھارت دریاؤں کا رخ موڑ کر پاکستان کے پنجاب کو پاکستان بنانے کی سزا دے گا۔ پھر ہمارے حکمرانوں نے 1960ء میں سندھ طاس معاہدہ کر کے پاکستان کو ستلج راوی اور بیاس کے دریاؤں کے پانی سے اس طرح محروم کر دیا کہ اب بھارت تو ان دریاؤں کے پانیوں سے بھرپور فائدہ اٹھا رہا ہے۔لیکن پاکستان کے یہ دریا رفتہ رفتہ صحراؤں کی شکل اختیار کرتے چلے جارہے ہیں۔جس سے ہماری زراعت، انسانی وآبی حیات اور جنگلات بری طرح متاثر ہورہے ہیں۔ وہ دریا جن میں کبھی پانی ٹھاٹھیں مارتا تھا اب ان میں دھول اڑتی ہے۔اس معاہدے میں جو سہولتیں بھارت کو دی گئیں وہ پاکستان کے لیے کیوں مخصوص نہ کرائی گئیں؟ - 1960 میں جب سندھ طاس معاہدہ (waters Treaty Indus) ہوا تھا تب ایوب خان کا دور تھا، بھارت میں اُس وقت پنڈت نہرو وزیر اعظم تھے۔کہا جاتا ہے کہ ایوب خان کے ایک بیوروکریٹ جی معین الدین اس معاہدے کے خالق تھے۔ اور وہ پاکستان کی طرف سے مذاکرات کررہے تھے۔ورلڈ بینک اس میں ضامن تھا۔ جی معین الدین طویل مذاکرات کے دوران امریکہ بھی گئے۔ جہاں پیرانہ سالی کے باوجود انھوں نے ایک امریکی دوشیزہ سے شادی رچالی - ورلڈ بینک اور بھارت سے لیے جانے والے سرمائے سے منگلا اورتربیلا کی جھیلیں تیار کی گئیں، اصولاً اسی ہلے گلے میں کالا باغ ڈیم بن جانا چاہیے تھا، لیکن ایوب خان نے ہزارہ کو ترقی دینے کے لیے تربیلا ڈیم شروع کروادیا - اس وقت شاید صوبہ سرحد (خیبر پختونخوا) اورصوبہ سندھ کالا باغ ڈیم کے اتنے مخالف نہ تھے۔لیکن ہم نے دیر کردی اور بہت زیادہ دیر کردی۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ آنے والے برسوں میں پاکستان ان دس ممالک میں شامل ہوجائے گا۔ جہاں پینے والے پانی کی بھی قلت واقع ہوجائے گی۔اس وقت لاہور میں زیر زمین پانی انتہائی نیچے جا چکا ہے۔ 80 یا نوّے فٹ کی گہرائی سے حاصل ہونے والی میٹھے پانی کی نعمت اب سیکڑوں فٹ پر بھی دستیاب نہیں یہ انتہائی " الارمنگ" صورت حال ہے۔جس کا ہمارے حکمرانوں کو قطعاً ادراک نہیں ہے۔ہم شاداب پاکستان کو ریگستان میں تبدیل ہوتا دیکھ رہے ہیں مگر خاموش ہیں۔اہل فکر ودانش کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے۔ پاکستان سے محبت رکھنے والے

ISSN # : 3080-9746

اصحابِ فکر کو اس جانب بھرپور توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ یہ ہماری نسلوں کی بقا کا مسئلہ ہے۔ کسی مفکر نے کہا تھا کہ سیاستدان اور راہنما میں ایک بنیادی فرق یہ ہوتا ہے کہ سیاستدان صرف اپنے اقتدار اور آنے والے انتخابات کے بارے میں اور ''راہنما'' آنے والی نسلوں کے بارے میں سوچتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ کوئی مفاد پرست اور خود غرض کبھی راہنما نہیں کہلا سکا۔ لیکن ہماری بدنصیبی ہے کہ ہمارے پاس سیاستدان بہت ہیں لیکن ہمیں حقیقی راہنما میسر نہیں۔ آج جب صاف پانی کی ڈیڑھ لیٹر کی ایک بوتل 100 روپے ملتی ہے تو اندازہ کیجیے کہ پانی کے بحران (خدانخواستہ) کی صورت میں پانی کتنا مہنگا ہو گا اور صورت حال کیا ہوسکتی ہے جبکہ بحران کا خطرہ ہماری دہلیز پر دستک دے رہا ہے۔

بے آب کب ہوئی ہے میرے دل کی سرزمین
آنسو رُکے تو سوچ کے چشمے اُبل پڑے

کالا باغ ڈیم ایسا قومی اہمیت کا منصوبہ ایک مدت سے معرض التوا میں پڑا ہوا ہے۔ کالا باغ ڈیم کی مخالفت کرنے والے پنجاب کو بے دست و پا بنانے کے درپے ہیں۔ لیکن یہ تو ملک سے دشمنی ہے کہ ایک قومی منصوبے کو چند تنگ نظر اور متعصب سیاستدانوں کی ہٹ دھرمی کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔ ایوانِ زراعت پنجاب کی رائے ہے کہ کالا باغ ڈیم جیسے اہم اور کثیر المقاصد منصوبے کی تعمیر فوری طور پر شروع ہونی چاہیے۔ اس ڈیم سے متعلق ابتدائی سروے اور کام مکمل ہو چکا تھا، جس پر اربوں روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ لیکن اسے بلا جواز سیاست کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ حالانکہ اس منصوبے کی تکمیل سے پاکستان کی معیشت مستحکم ہوتی اور توانائی کے ذرائع میسر آتے۔ کالا باغ ڈیم سے نہ صرف بجلی پیدا ہوتی بلکہ زراعت، صنعت اور روزگار کے نئے مواقع بھی پیدا ہوتے۔ ہمیں ہر سال کبھی پانی کی کمی کی وجہ سے خشک سالی اور کبھی بڑے پیمانے پر سیلابی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بجلی کے بحران اور بجلی کی ہوشربا قیمتوں نے عوام کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔

کالا باغ ڈیم ایسا منصوبہ ہے جس کے فوائد اور نقصانات دونوں پر ایک طویل عرصے سے بحث جاری ہے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ پاکستان کو پانی اور بجلی کے بڑھتے ہوئے بحران کا سامنا ہے۔ جس کا واحد حل کالا باغ ڈیم کی تعمیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کے وزیر اعظم اور فیلڈ مارشل سید عاصم منیر کو دنیا بھر میں عزت اور سرخروئی عطا فرمائی ہے بماری جناب وزیر اعظم شہباز شریف صاحب اور جناب فیلڈ مارشل سید عاصم منیر صاحب سے درخواست ہے کہ قومی مفاد کے اس عظیم منصوبے کو دفن نہ ہونے دیں۔ پہلے تو کوشش کریں کہ تمام صوبوں کے راہنما اس منصوبے کو اتفاق رائے سے منظور کر لیں۔ لیکن اگر کچھ عاقبت نا اندیش اور ڈھیٹ قسم کے سیاستدان اس منصوبے کی راہ میں مزاحم ہوں تو ان کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے اور اگر اس کارِ خیر میں دو چار، آٹھ دس یا پندرہ بیس سیاستدانوں کو ملک وقوم سے ''غداری'' کے جرم میں پابند سلاسل بھی کرنا پڑے تو یہ کر گزریں اللہ نے آپ کو طاقت اور اختیار دیا ہے اسے ملک وقوم کے بہترین مفاد میں استعمال کریں اور کالا باغ ڈیم کی تعمیر کا آغاز کرنے کے لیے اقدامات کریں پھر دیکھیں کہ تاریخ آپ کو ہمیشہ یاد رکھے گی۔ اور جب اس منصوبے کے ثمرات قوم تک پہنچیں گے تو مخالف'' عناصر کو تاریخ کے اوراق میں ہی دفن ہونا پڑے گا۔ جناب فیلڈ مارشل اور وزیر اعظم صاحب، پاکستان کی ترقی اور آنے والی نسلوں کی بقا کے لیے یہ کام کر گزریں، پاکستان کا بچہ بچہ آپ کو دعائیں دے گا اور اس ایک ڈیم کی تعمیر سے پاکستان ترقی کے نئے دور میں داخل ہوگا۔

اللہ آپ کا حامی وناصر ہو آمین۔

3 جون: یومِ اعلانِ قیامِ پاکستان

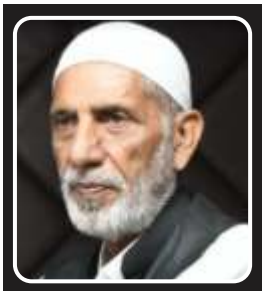

تحریر: حکیم راحت نسیم سوہدروی

3 جون 1947ء برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کا ایک ایسا عظیم، فیصلہ کن اور یادگار دن ہے جس نے لاکھوں مسلمانوں کے خواب کو حقیقت میں بدلنے کی بنیاد فراہم کی۔ اس روز برطانوی حکومت نے آل انڈیا ریڈیو کے ذریعے تقسیمِ ہند اور قیامِ پاکستان کے منصوبے کا باضابطہ اعلان کیا۔ یہی وہ تاریخی لمحہ تھا جب دنیا کو بتایا گیا کہ برصغیر میں دو آزاد ریاستیں، پاکستان اور بھارت، قائم کی جائیں گی۔ مسلمانوں کے لیے یہ اعلان صرف ایک سیاسی فیصلہ نہیں تھا بلکہ ان کی طویل جدوجہد، قربانیوں اور بے شمار امیدوں کی کامیابی کی نوید تھا۔ اسی لیے 3 جون 1947ء کو ''یومِ اعلانِ قیامِ پاکستان'' کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

برصغیر کے مسلمان کئی دہائیوں سے اپنے سیاسی، مذہبی اور ثقافتی حقوق کے تحفظ کے لیے جدوجہد کر رہے تھے تاکہ پھر سے دنیا کو اسلام کی نورانی کرنوں سے منور کر سکیں اور وہ نظام پھر سے رائج ہو جائے جس نے عرب کے جہاں اراوں کو جہاں باں بنا دیا اور دنیا کی قیادت دے دی۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ انگریز حکومت مسلمانوں کو بغاوت کا ذمہ دار سمجھتی تھی اور یہ بات تاریخی طور پر درست ہے کہ انگریز نے اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا اور وہ اسے واپس لینے کے لئے انگریز کیخالف تھے اور اس کے لئے کوشاں بھی تھے، انگریز نے اسی باعث انہیں ملازمتوں، تعلیم اور سیاست میں پیچھے دھکیل دیا گیا۔ مسلمانوں کی معاشی اور تعلیمی حالت کمزور ہوتی چلی گئی جبکہ دوسری جانب ہندوؤں کی سرپرستی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں نے جدید تعلیم حاصل کر کے اپنی پوزیشن مضبوط کر لی۔ مسلمان چاہتے تھے کہ مسلمان اور ہندو مل کر جدوجہد سے انگریز کو نکالیں مگر ہندو خود کو انگریز کا جانشین سمجھنے لگے جب کہ مسلمانوں نے اپنے ایک ہزار سالہ عہد اقتدار میں رواداری اور وضع داری اور روشن خیالی کی اعلیٰ مثالیں قائم کی تھی مگر ہندو انہیں فراموش کر کے انگریز کے بعد اقتدار کے خواب دیکھنے لگا اور متحدہ جدوجہد سے فرار کیا ایسے حالات میں مسلمانوں کو یہ احساس ہوا کہ اگر وہ اپنی الگ شناخت کے تحفظ کے لیے متحد نہ ہوئے تو ان کا مستقبل خطرے میں پڑ جائے گا۔

سرسید احمد خان نے مسلمانوں میں جدید تعلیم اور سیاسی شعور بیدار کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو یہ سمجھایا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ قومیں ہیں جن کے مذہب، رسم و رواج، تہذیب اور طرزِ زندگی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ بعد میں یہی نظریہ ''دوقومی نظریہ'' کہلایا جو قیامِ پاکستان کی بنیاد بنا۔ مسلمانوں کی سیاسی نمائندگی کے لیے 1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ قائم کی گئی جس نے آگے چل کر تحریکِ پاکستان کی قیادت کی۔

تحریکِ پاکستان میں بے شمار رہنماؤں، صحافیوں، شاعروں اور دانشوروں نے اہم کردار ادا کیا۔ ان عظیم شخصیات میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خان مولانا حسرت موہانی کے نام خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ مولانا محمد علی جوہر ایک عظیم مسلمان رہنما، صحافی، مقرر اور تحریکِ آزادی کے سرگرم قائد تھے۔ انہوں نے اپنے بھائی مولانا شوکت علی کے ساتھ مل کر تحریکِ خلافت میں بھرپور کردار ادا کیا اور مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کی۔ ان کا اخبار ''ہمدرد'' مسلمانوں کی آواز بن گیا تھا۔ مولانا محمد علی جوہر مسلمانوں کے اتحاد اور آزادی کے زبردست حامی تھے۔ انہوں نے ہمیشہ مسلمانوں کے حقوق کی بات کی اور انگریز حکومت کے سامنے ڈٹ کر کھڑے رہے۔ گول میز کانفرنس لندن میں ان کا مشہور جملہ آج بھی تاریخ میں

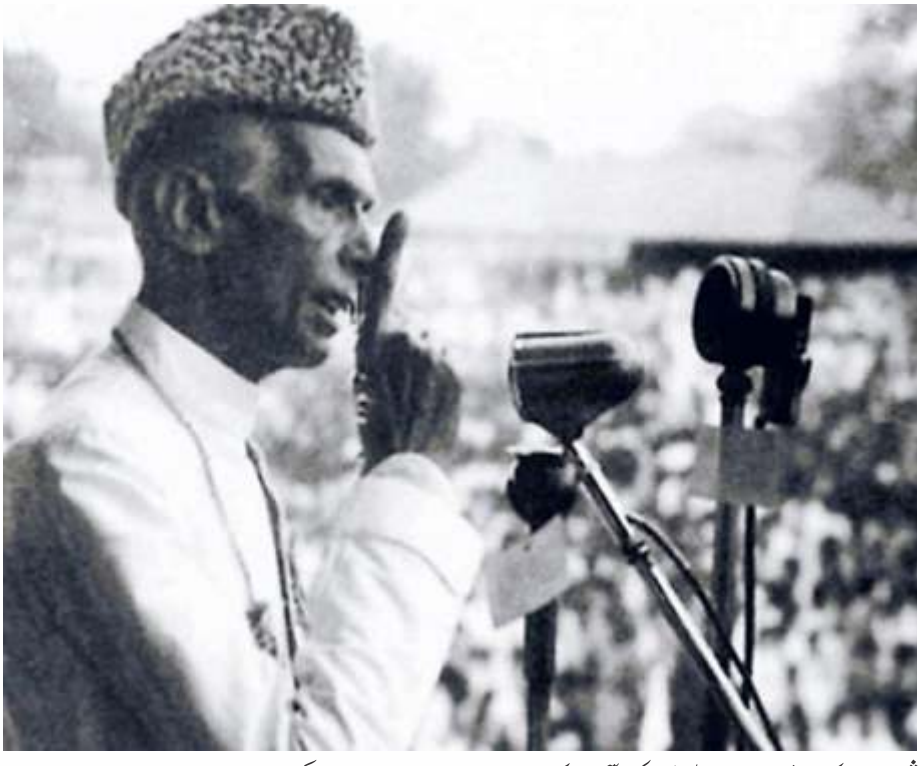

سنہرے الفاظ سے لکھا جاتا ہے:

''میں غلام ہندوستان میں مرنے کے بجائے آزاد سرزمین میں مرنا پسند کروں گا۔''

مولانا محمد علی جوہر نے اپنی تقاریر اور تحریروں کے ذریعے مسلمانوں میں آزادی کا جذبہ پیدا کیا۔ اگرچہ وہ قیامِ پاکستان سے پہلے وفات پا گئے تھے، لیکن ان کی جدوجہد نے مسلمانوں کو آزادی کی تحریک کے لیے تیار کیا اور یہی جدوجہد بعد میں قیامِ پاکستان کی بنیاد بنی۔

اسی طرح مولانا ظفر علی خان بھی تحریکِ پاکستان کے عظیم رہنما، شاعر اور صحافی تھے۔ انہیں ''بابائے صحافت'' بھی کہا جاتا ہے۔ وہ اخبار ''زمیندار'' کے ایڈیٹر تھے جو مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ بن گیا تھا۔ مولانا ظفر علی خان نے اپنی شاعری، صحافت اور تقاریر کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں میں آزادی اور علیحدہ وطن کا جذبہ بیدار کیا۔ ان کی تحریروں

ISSN # : 3080-9746

نے مسلمانوں کو متحد ہونے کا پیغام دیا اور انگریز حکومت اور ہندو سیاست کے خلاف مسلمانوں کے حقوق کا دفاع کیا۔ ان کی شاعری میں مسلمانوں کے جذبات اور قومی احساسات نمایاں ہوتے تھے۔

مولانا ظفر علی خان قائداعظم محمد علی جناحؒ کے حامی تھے اور تحریکِ پاکستان میں انہوں نے بھرپور کردار ادا کیا۔ ان کی صحافت نے تحریکِ پاکستان کو مضبوط بنانے میں اہم حصہ ڈالا۔ اس دور میں اخبارات عوامی شعور بیدار کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ تھے، اور مولانا ظفر علی خان نے اس میدان

میں عظیم خدمات انجام دیں۔ اس طرح مولانا حسرت موہانی نے بھی تحریر و تقریر سے قیام پاکستان کی جدوجہد میں نمایاں کردار ادا کیا اور جیل کی صعوبتیں برداشت کیں

23 مارچ 1940ء کو قراردادِ لاہور منظور ہوئی جس میں مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا مطالبہ پیش کیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے مسلمانوں کی قیادت انتہائی دانشمندی اور سیاسی بصیرت کے ساتھ کی۔ انہوں نے واضح کیا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ قومیں ہیں اور مسلمان اپنے مذہبی، ثقافتی اور سیاسی حقوق کے تحفظ کے لیے الگ وطن چاہتے ہیں۔ کانگریس متحدہ ہندوستان چاہتی تھی تاکہ اکثریت کی بنیاد پر اقتدار اسے ملے اور ہندو، ہندی اور ہندوستان کا خواب پورا ہو سکے جبکہ مسلم لیگ مسلمانوں کے لیے الگ ریاست کے مطالبے پر قائم رہی۔

1946ء کے انتخابات میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کی اکثریتی نشستوں پر شاندار کامیابی حاصل کی۔ اس کامیابی نے ثابت کر دیا کہ برصغیر کے مسلمان قائداعظم محمد علی جناحؒ کی قیادت پر مکمل اعتماد رکھتے ہیں۔ اسی دوران ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات بھی شدت اختیار کر گئے۔ کلکتہ، بہار اور پنجاب میں خونریز فسادات ہوئے جن میں ہزاروں لوگ مارے گئے۔ ان حالات نے برطانوی حکومت کو یہ احساس دلایا کہ ہندو اور مسلمان ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔

مارچ 1947ء میں لارڈ لوئس ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے آخری وائسرائے بن کر آئے۔ انہوں نے مختلف سیاسی رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں اور آخرکار یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہندوستان کو تقسیم کر دیا جائے۔ 3 جون 1947ء کو وائسرائے ماؤنٹ بیٹن نے تقسیمِ ہند کا منصوبہ پیش کیا جسے ''3 جون پلان'' کہا جاتا ہے۔ اس منصوبے کے تحت ہندوستان کو دو آزاد ریاستوں پاکستان اور بھارت میں تقسیم کرنے کا اعلان کیا گیا۔ اسی دن آل انڈیا ریڈیو سے یہ تاریخی اعلان نشر کیا گیا۔ سب سے پہلے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے خطاب کیا، اس کے بعد پنڈت جواہر لعل نہرو اور پھر قائداعظم محمد علی جناحؒ نے قوم سے خطاب کیا۔ قائداعظمؒ نے مسلمانوں کو مبارکباد دی اور ''پاکستان زندہ باد'' کا نعرہ بلند کیا۔ یہ الفاظ سنتے ہی مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں نے سجدۂ شکر ادا کیا، مٹھائیاں تقسیم کیں اور خوشی کے جلوس نکالے گئے۔

ال انڈیا ریڈیو پر سید ذوالفقار بخاری کے 3 جون 1947ء کے اعلان پاکستان کے بعد برصغیر کے حالات تیزی سے تبدیل ہونے لگے۔ پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا عمل شروع ہوا، سرحد میں ریفرنڈم ہوا اور سندھ اسمبلی نے پاکستان میں شامل ہونے کے حق میں فیصلہ دیا۔ دوسری جانب فسادات بھی بڑھ گئے اور لاکھوں مسلمانوں نے پاکستان کی طرف ہجرت شروع کر دی۔ یہ ہجرت انسانی تاریخ کی سب سے بڑی ہجرتوں میں شمار ہوتی ہے۔ لاکھوں مسلمانوں نے اپنی جانوں، مال اور عزتوں کی قربانی دی لیکن پاکستان کے حصول کے جذبے سے پیچھے نہ ہٹے۔

3 جون کا اعلان دراصل مسلمانوں کی دہائیوں پر مشتمل جدوجہد کی کامیابی تھا۔ اس دن برطانوی حکومت نے پہلی بار باضابطہ طور پر پاکستان کے قیام کو تسلیم کیا۔ یہ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی عظیم قیادت، مسلمانوں کے اتحاد اور رہنماؤں، صحافیوں اور دانشوروں کی قربانیوں کا نتیجہ تھا۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خان، علامہ محمد اقبالؒ، لیاقت علی خان اور بے شمار دیگر شخصیات نے اس تحریک کو کامیاب بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ آج 3 جون کا دن ہمیں اپنے اسلاف کی قربانیوں کی یاد دلاتا ہے۔ یہ دن ہمیں اتحاد، قربانی، محنت اور حب الوطنی کا سبق دیتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم قائداعظمؒ کے اصول ''اتحاد، ایمان اور تنظیم'' پر عمل کریں اور پاکستان کی ترقی و خوشحالی کے لیے کام کریں۔ پاکستان بڑی قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا ہے، اس لیے اس کی حفاظت اور ترقی ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

3 جون 1947ء ہمیشہ تاریخ میں ایک سنہری دن کے طور پر یاد رکھا جائے گا کیونکہ اسی دن قیامِ پاکستان کی منزل قریب ہوئی اور مسلمانوں کے خواب کو حقیقت میں بدلنے کی باضابطہ بنیاد رکھی گئی۔ پاکستان ہمیشہ قائم و دائم رہے۔ پاکستان زندہ باد۔

عجیب قسم کی جنگ تھی!

تحریر: خسانہ سحر

دنیا کی تاریخ میں بعض جنگیں صرف بارود، میزائل اور ٹینکوں سے نہیں لڑی جاتیں بلکہ ان کے اثرات معیشت، سیاست، سفارت کاری اور عالمی طاقتوں کے توازن تک پھیل جاتے ہیں۔ حالیہ ایران اسرائیل کشیدگی بھی کچھ ایسی ہی عجیب جنگ ثابت ہوئی جس میں میدانِ جنگ ایک تھا مگر زخم پوری دنیا نے کھائے۔

بظاہر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جنگ ایران اور اسرائیل کے درمیان ہے، مگر حقیقت میں اس کے اثرات نے عالمی طاقتوں کے چہروں سے نقاب ہٹا دیے۔ ایران پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی گئی، اس کی طاقت کو محدود کرنے کے خواب دیکھے گئے، لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ اسرائیل خود خوف، بے یقینی اور عدم تحفظ کا شکار دکھائی دیا۔ دنیا نے پہلی بار دیکھا کہ مشرقِ وسطیٰ میں طاقت کا توازن بدل رہا ہے اور وہ قوتیں جو خود کو ناقابلِ شکست سمجھتی تھیں، اب دفاعی پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔

اس پوری صورتحال میں امریکہ کی پوزیشن بھی غیر معمولی رہی۔ امریکہ ہمیشہ مشرقِ وسطیٰ میں اپنی مرضی کی بساط بچھاتا آیا ہے، مگر اس بار حالات اُس کے قابو سے باہر دکھائی دیے۔ اربوں ڈالر کے اسلحے، بحری بیڑوں اور سیاسی دباؤ کے باوجود وہ اپنے اتحادی کو مکمل تحفظ نہ دے سکا۔ عالمی سطح پر امریکہ کی طاقت اور ساکھ پر سوالات اٹھے اور یہ تاثر مضبوط ہوا کہ دنیا اب یک قطبی نظام سے نکل کر نئی طاقتوں کے دور میں داخل ہو رہی ہے۔

اس جنگ کا ایک دلچسپ مگر تلخ پہلو عرب دنیا، خصوصاً متحدہ عرب امارات کی صورتحال بھی رہی۔ خطے میں تجارت، سرمایہ کاری اور سیاحت کے خواب دیکھنے والی ریاستیں اچانک خوف اور غیر یقینی کیفیت سے دوچار ہو گئیں۔ سرمایہ کار محتاط ہوئے، فضائی راستے متاثر ہوئے اور معیشت پر دباؤ بڑھا۔ یوں محسوس ہوا کہ جنگ کہیں اور ہو رہی ہے مگر اس کی معاشی آگ خلیجی ریاستوں کے دروازوں تک پہنچ چکی ہے۔

دوسری جانب چین اور روس خاموش مگر کامیاب کھلاڑی کے طور پر سامنے آئے۔

چین نے معاشی طاقت اور سفارتی حکمتِ عملی سے خود کو ایک متبادل عالمی قوت کے طور پر منوایا، جبکہ روس نے مغرب کے خلاف اپنی سیاسی پوزیشن مزید مضبوط کی۔ یہ جنگ گویا اُن قوتوں کے لیے ایک موقع بن گئی جو برسوں سے امریکی بالادستی کو چیلنج کرنا چاہتی تھیں۔

ایران کے حصے میں اگرچہ مشکلات آئیں، پابندیاں بڑھیں اور خطرات میں اضافہ ہوا، مگر ایک چیز اُسے ضرور ملی: عزت۔ ایرانی قیادت نے اپنے عوام کے سامنے یہ تاثر قائم کیا کہ وہ دباؤ کے باوجود جھکنے کو تیار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم دنیا کے ایک بڑے طبقے نے ایران کو مزاحمت کی علامت کے طور پر دیکھا۔

اس سارے منظرنامے میں بھارت کی سفارتی الجھن بھی نمایاں رہی۔ ایک طرف اسرائیل سے قربت، دوسری طرف عرب دنیا کے ساتھ معاشی تعلقات، اور تیسری طرف اپنے داخلی سیاسی مفادات ان سب نے بھارت کو ایسی پوزیشن میں لا کھڑا کیا جہاں اُس کی خارجہ پالیسی تضادات کا شکار دکھائی دی۔ یوں عالمی منظرنامے میں اُس کی سبکی بھی موضوعِ بحث بنی۔

اور پھر ہمیشہ کی طرح اس عالمی جنگ کا سب سے بڑا بوجھ عام آدمی نے اٹھایا، خصوصاً پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک نے۔ پٹرول مہنگا ہوا، اشیائے خوردونوش کی قیمتیں بڑھیں، بجلی مزید مہنگی ہوئی اور مہنگائی نے پہلے سے پریشان عوام کی کمر توڑ دی۔ عالمی سیاست کے ایوانوں میں فیصلے ہوتے رہے اور اُن فیصلوں کی قیمت غریب عوام نے اپنے چولہوں پر ادا کی۔

یہ واقعی ایک عجیب قسم کی جنگ تھی۔

جہاں گولیاں سرحدوں پر چلیں مگر اثرات دنیا بھر کے بازاروں میں محسوس ہوئے۔

جہاں فتح اور شکست کا فیصلہ میدان میں نہیں بلکہ عالمی سیاست، معیشت اور سفارت کاری کے ایوانوں میں ہوا۔

اور جہاں طاقتور ممالک اپنی چالیں چلتے رہے، مگر پسنے والا ہمیشہ عام انسان ہی رہا۔

ISSN # : 3080-9746

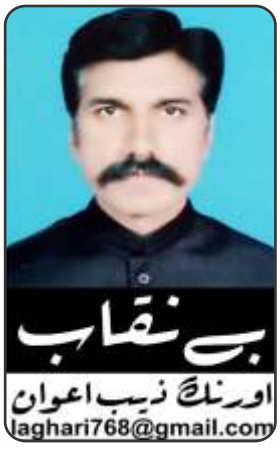

گوھرِ نایاب

سورج کی روشنی اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے ۔جب سورج اپنی آب وتاب سے چمکتا ہے ۔ تو ہر بشر تا حد نگاہ تک دیکھ سکتا ہے ۔جیسے ہی سورج ڈھلتا ہے ۔اور رات کی تاریکی چھا جاتی ہے ۔ تو ہر انسان اپنے گھر،آفس، گاڑی کی مصنوعی روشنی کا سہارا لیتا ہے ۔ مگر یہ روشنی ایک مخصوص حد تک ہی اس کی رہنمائی کرتی ہے ۔اس کی حد سے آگے وہ کچھ نہیں دیکھ سکتا ۔اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو سورج کی مانند دنیا میں بھیجا ہے ۔ کہ وہ اندھیروں،نفرتوں، مایوسیوں کو مٹا کر پیار ومحبت،امن، بھائی چارگی کی فضا پیدا کریں ۔یہ لوگ اپنی ذات میں انمول ہوتے ہیں ۔ایک ایسا ہی خوبرو، گبرو،ہنس مکھ، شریں زباں،خوش لباس، خوش شکل،خوش اخلاق، یاروں کا یار،کردار کا غازی،دلیر، عاجزی وانکساری کا مجسمہ،قائدانہ صفات وسحر انگیز شخصیت کا مالک نوجوان شاہ زمان اعوان (مرحوم) تھا ۔انسان تمام

عمر دنیاوی ودولت کے پیچھے بھاگتا ہے ۔اس کی نظر میں مال ودولت ہی اس کی کامیابی کا زینہ ہیں ۔ مگر جیسے ہی وہ اس دنیا فانی سے کوچ کرتا ہے ۔لوگ اس کا نام تک بھول جاتے ہیں ۔شاہ زمان اعوان (مرحوم) نے اپنی عظیم وانقلابی سوچ سے اس فلسفہ زندگی کو غلط ثابت کیا ۔شاہ زمان اعوان (مرحوم) وہ سورج تھا ۔جس نے اپنی روشنی سے اپنے خاندان،دوست واحباب،شہر کو ایک منفرد پہچان بخشی ..شاہ زمان اعوان (مرحوم) نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی ۔اس گھرانہ کا ہر فرد خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار ہے ۔ان کے دادا جان چوہدری علی احمد اعوان المعروف بابا بولا جی ایک عہد ساز شخصیت کے مالک تھے ۔ان کی دور اندیشی کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی ۔ تقسیم ہند کے بعد انہوں نے اپنے عزیزوں واقارب کے ہمراہ لائل پور (فیصل آباد) کی دھرتی پر ایک خیمہ بستی آباد کی ۔جس کو آج بولیدی جھگی کے نام سے جانا جاتا ہے ۔ان کی سوچ وتصور تھا ۔ کہ اس جگہ پر صرف اور صرف اعوان برادری کو آباد کیا جائے ۔وہ بھارت کے ضلع جالندھر سے ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے ۔

وہاں اعوان برادری کے 22 دیہات ایک ہی لائن میں آباد تھے ۔ان کا خواب تھا ۔ کہ میری اعوان برادری اسی اتفاق و محبت سے یہاں رہائش پذیر ہو ۔اور دنیا بھر میں ان کی منفرد پہچان ہو ۔اسی مثبت وتعمیری سوچ کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے انہوں نے یہاں اعوان برادری کو آباد کیا ۔ آج اس کے باسیوں نے اپنی ہمت وقابلیت کے بل بوتا پر دنیا بھر میں اس خطہ ارض کا نام روشن کیا ہے ۔ان کے فرزند ارجمند چوہدری قمر زمان اعوان انٹرنیشنل فٹبالر، مایہ ناز کبوتر پرور و .EX(MPA) اپنی ذات میں یکتا ہیں ۔ان کی مثبت وتعمیری سوچ نے انہیں اس مرتبہ پر فائز کیا ہے ۔جس کا کوئی تصور ہی کر سکتا ہے ۔انہوں نے اپنے والد گرامی کے مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے ۔ناصرف اعوان برادری بلکہ عوامی خدمت کو اپنا نصب العین بنا رکھا ہے ۔ان کے سیاسی ڈیرہ پر ہمہ وقت لوگ اپنے ذاتی واجتماعی مسائل کے حل کے لیے حاضر ہوتے ہیں ۔ حکومت کسی بھی سیاسی جماعت کی ہو ۔سرکاری افسران وحکومتی عہدیداران ان کا دل سے عزت واحترام کرتے ہیں ۔ کیونکہ انہوں نے ہمیشہ عوام میں خوشیاں تقسیم کی ہیں ۔ان کی زوجہ محترمہ پروین زمان

اعوان بھی عوامی خدمت کے مشن میں کسی سے کم نہیں ۔وہ دکھی انسانیت کی خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی ۔یتیم بچیوں کی شادی، مجبور عوام کی مالی مدد، علاقہ کی فلاح و بہبود کے کام،مسجد کی تعمیر، پارک کی دیکھ بھال، صاف پانی کی فراہمی کے لیے واٹر فلٹریشن پلانٹ کی تنصیب،شہید قرآن پاک کے نسخہ جات کو بے حرمتی سے بچانے کے لیے جنازہ گاہ میں قرآن محل کی تعمیر جیسے ان گنت کام ہیں ۔ایسے عظیم ماں باپ کی اولاد بھلا کس طرح سے مخلوق خدا کی خدمت سے غافل رہ سکتی ہے ۔شاہ زمان اعوان (مرحوم) وقت کا ولی تھا ۔دنیاوی مال و دولت کی بہتات ہونے کے باوجود اس نوجوان میں کبھی غرور وتکبر نام کی کوئی چیز دیکھنے کو نہیں ملی ..وہ ہمہ وقت دوستوں اور عام عوام کے درمیان موجود رہتا تھا ۔چناب کلب کا ممبر ہونے کے باوجود علاقہ کے نوجوانوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنا، ان کے ساتھ گپ شپ لگانا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا ۔شاہ زمان اعوان (مرحوم) اپنے حسن اخلاق کی بدولت دوستوں، عزیزوں واقارب سمیت شہر بھر کا چہتا نوجوان تھا ۔ہر کوئی اس سے دلی محبت کرتا تھا ۔شاہ زمان اعوان (مرحوم) کی شخصیت اس قدر سحر انگیز تھی ۔ کہ جو کوئی اس سے ایک بار ملتا وہ اس کا گرویدہ ہو جاتا ۔الفاظ کی چاشنی لوگوں کو ان کا دیوانہ

بنا دیتی .انسان اپنے آباؤ واجداد کے نام سے پہچانا جاتا ہے .وہ والدین کس قدر عظیم وخوش قسمت ہوگے .جن کی اولاد ان کی پہچان بنے .بلاشبہ چوہدری قمر الزمان اعوان فیصل آباد کی سیاست کی ان،شان،پہچان ہیں .ان کے ذکر کے بغیر فیصل آباد کی سیاست نامکمل ہے .اس کے باوجود ان کا سینہ فخر سے چوڑا ہو جاتا ہے .جب آج بھی لوگ انہیں کہتے ہیں . کہ آپ شاہ زمان اعوان (مرحوم) کے والد گرامی ہے .چوہدری علی احمد اعوان (مرحوم) المعروف بابا بولا جی نے بولیدی جھگی کا سنگ بنیاد رکھا .ان کے عظیم فرزند ارجمند چوہدری قمر الزمان اعوان نے اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت اس کو منفرد پہچان عطا کی .چوہدری قمر الزمان اعوان کے لخت جگر شاہ زمان اعوان (مرحوم) نے اس کی شہرت وتوقیر کو چار چاند لگائے .والدین کے لیے یہ لمحہ انتہائی مسرت سے لبریز ہوتا ہے .جب ان کے سامنے کوئی ان کی اولاد کی قابلیت اور صلاحیتوں کی تعریف کرے .شاہ زمان اعوان (مرحوم) نے انتہائی قلیل وقت میں اپنے حصہ کی شمع روشن کر کے اپنے خاندان،اہل علاقہ وشہر کو وہ عظمت بخشی ہے .جس کی نظیر نہیں ملتی .شاہ زمان اعوان (مرحوم) جیسے اعلی ظرف لوگ ہی سورج کی مانند کہلوانے کے حقیقی حق دار ہیں .جو اپنی مثبت اور تعمیری سوچ کی کرنوں سے معاشرہ کو روشن کرتے ہیں . کم ظرف اور گھٹیا سوچ کے مالک رات کی تاریکی میں مصنوعی روشنی کی مانند ہوتے ہیں جو صرف اور صرف اپنی ذات تک محدود رہتے ہیں. شاہ زمان اعوان (مرحوم) جیسا قابل،ذہین،زیرک نوجوان صدیوں بعد پیدا ہوتا ہے .شاہ زمان اعوان (مرحوم) سے زندگی نے وفا نہ کی .وہ عہد شباب میں ہی داغ مفارقت /فراغت دے گئے .ان کی کمی آج بھی شدت سے محسوس کی جاتی ہے .ہم لوگ جب کبھی محو سفر ہو یا بیرون شہر ہو تو کوئی پوچھے کہ آپ فیصل آباد میں کس جگہ قیام پذیر ہے .جب انہیں بتایا جاتا ہے . کہ بولیدی جھگی کے مقیم ہیں . تو وہ آگے سے فوری کہتے ہیں . کہ جہاں شاہ زمان اعوان

(مرحوم) رہتا تھا .شاہ زمان اعوان (مرحوم) بولیدی جھگی کے لیے لازم وملزوم ہیں .ان کے ذکر کے بغیر بولیدی جھگی اور اس کے باسیوں کی پہچان نامکمل ہے .شاہ زمان اعوان (مرحوم) رہتی دنیا تک اپنے حسن اخلاق، اعلی ظرفی کی

بدولت لوگوں کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہے گا .شاہ زمان اعوان (مرحوم) کے ہم شکل ان کے بھتیجے عادل زمان اعوان جو امریکہ سے اپنی تعلیم مکمل کر کے اپنی خاندانی اعلی روایات کی پاسداری کا بھرم رکھتے ہوئے .عوامی خدمت کے مشن کو جاری وساری رکھنے کی غرض سے عملی سیاست میں قدم رکھنے جا رہے ہیں .اللہ تعالیٰ انہیں کامیابیوں وکامرانیوں سے ہمکنار فرمائے .اور شاہ زمان اعوان (مرحوم) کی مغفرت وبخشش فرما کر انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ و بلند مقام عطا فرمائے آمین ثم آمین

قوم کا ایک گوہر نایاب تھا جو کھو گیا
قوم کا ایک جذبہ بے تاب تھا جو سو گیا

کام پورا، تنخواہ آدھی! برطانیہ میں زندہ رہنا بھی مشکل

برطانیہ جیسے ملک میں کبھی یہ تصور تھا کہ اگر انسان محنت کرے، وقت پر کام پر جائے، اپنی ذمہ داریاں پوری کرے اور پورا ہفتہ ایمانداری سے نوکری کرے تو زندگی کم از کم سکون سے گزر سکتی ہے۔ ایک عام آدمی اپنے گھر کے اخراجات چلا لیتا تھا، بچوں کا مستقبل سوچ لیتا تھا اور مہینے کے آخر میں مکمل تباہی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ مگر آج حالات اتنے بدل چکے ہیں کہ فل ٹائم نوکری بھی انسان کو ذہنی سکون نہیں دے پا رہی۔

آج برطانیہ میں لاکھوں لوگ ہر صبح اندھیرے میں گھر سے نکلتے ہیں، گھنٹوں کام کرتے ہیں، جسمانی اور ذہنی تھکن برداشت کرتے ہیں، مگر اس کے باوجود مہینے کے آخر میں ان کے بینک اکاؤنٹس خالی ہوتے ہیں۔ محنت اب کامیابی کی ضمانت نہیں رہی بلکہ صرف زندہ رہنے کی ایک مسلسل کوشش بن چکی ہے۔ کبھی فل ٹائم جاب کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ آپ اپنے خاندان کے ساتھ عزت سے زندگی گزار سکتے ہیں۔ ایک چھوٹا سا گھر، مناسب کھانا، سال میں ایک بار چھٹی، اور گاڑی خراب ہونے پر مکمل خوف محسوس نہ کرنا ایک عام بات تھی۔ مگر اب ایک اچانک خرچہ پورے مہینے کا بجٹ تباہ کر دیتا ہے۔ کرایوں کی صورتحال انتہائی خراب ہو چکی ہے۔ برطانیہ کے بڑے شہروں میں عام تنخواہ والا شخص مناسب گھر لینے کے قابل نہیں رہا۔ لوگ اپنی آمدنی کا بڑا حصہ صرف کرایہ ادا کرنے میں لگا دیتے ہیں، اور پھر باقی رقم میں پورا مہینہ گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کئی خاندان ایسے ہیں جو صرف بلوں اور کرائے کی ادائیگی کے بعد تقریباً خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔

بجلی، گیس اور پانی کے بل مسلسل بڑھ رہے ہیں۔ ہر چند مہینوں بعد نئی قیمتیں آ جاتی ہیں اور عام آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ آخر یہ سلسلہ کہاں جا کر رکے گا۔ سردیوں میں ہیٹنگ چلانا بھی کئی لوگوں کے لیے ذہنی دباؤ بن چکا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگلا بل ان کی مالی حالت مزید خراب کرے گا۔ خوراک کی قیمتوں نے بھی لوگوں کو پریشان کر دیا ہے۔ سپر مارکیٹ جانے والا ہر شخص محسوس کرتا ہے کہ وہی چیزیں جو چند سال پہلے آسانی سے خریدی جا سکتی تھیں، اب مہنگی ہوتی جا رہی ہیں۔ لوگ مذاق میں کہتے ہیں کہ قیمتیں سپر مارکیٹ کے موڈ کے مطابق بدلتی ہیں، مگر حقیقت میں یہ مذاق ایک تلخ سچائی بن چکا ہے۔

تنخواہوں کا مسئلہ سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ اخراجات ہر سال بڑھتے جا رہے ہیں مگر اجرتیں تقریباً وہیں کھڑی ہیں۔ کئی شعبوں میں لوگ برسوں سے کام کر رہے ہیں مگر ان کی تنخواہ اتنی نہیں بڑھی جتنی مہنگائی بڑھی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ فل ٹائم کام کرنے والا انسان بھی مالی طور پر پیچھے جا رہا ہے۔ سب سے تکلیف دہ بات یہ ہے کہ اس صورتحال میں عام محنت کش خود کو قصوروار سمجھنے لگتا ہے۔ وہ سوچتا ہے شاید وہ کافی محنت نہیں کر رہا، شاید وہ پیسے سنبھال نہیں سکتا، شاید اس کی پلاننگ خراب ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ فرد نہیں بلکہ پورا معاشی نظام ہے۔

آج کے دور میں بچت کرنا بھی ایک خواب بنتا جا رہا ہے۔ لوگ مہینے کے آخر میں صرف یہ دعا کرتے ہیں کہ کوئی ایمرجنسی نہ آ جائے۔ گاڑی خراب ہو جائے، کوئی طبی مسئلہ پیدا ہو جائے یا گھر میں کوئی اضافی خرچہ نکل آئے تو پورا بجٹ بکھر جاتا ہے۔ برطانیہ میں نوجوان نسل کے لیے گھر خریدنا تقریباً ناممکن ہوتا جا رہا ہے۔ پہلے لوگ چند سال نوکری کر کے ڈپازٹ جمع کر لیتے تھے، مگر اب کرایہ اور روزمرہ اخراجات اتنے زیادہ ہیں کہ بچت کے لیے کچھ باقی ہی نہیں بچتا۔ بہت سے نوجوان اب یہ ماننے لگے ہیں کہ شاید وہ کبھی اپنا گھر خرید ہی نہ سکیں۔ یہ صورتحال صرف کم آمدنی والوں تک محدود نہیں رہی۔ اب وہ لوگ بھی دباؤ میں ہیں جو مڈل کلاس کہلاتے تھے۔ اساتذہ، نرسز، ڈرائیورز، دفتری ملازمین اور دیگر فل ٹائم ورکرز بھی مسلسل مالی پریشانی محسوس کر رہے ہیں۔

کئی والدین اپنے بچوں کے سامنے پریشان نہیں ہونا چاہتے مگر اندر ہی اندر ٹوٹ رہے ہوتے ہیں۔ وہ پوری کوشش کرتے ہیں کہ بچوں کو نارمل زندگی ملے، مگر مہنگائی اور مسلسل بڑھتے اخراجات انہیں ذہنی طور پر تھکا دیتے ہیں۔

ذہنی صحت پر اس معاشی دباؤ کے اثرات واضح نظر آ رہے ہیں۔ لوگ ہر وقت بلوں، قرضوں اور اخراجات کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔ رات کو سونے سے پہلے اور صبح اٹھتے ہی پہلا خیال اکثر پیسوں کا ہوتا ہے۔

سوشل میڈیا نے بھی اس احساس کو مزید بڑھا دیا ہے۔

لوگ دوسروں کی چمکتی ہوئی زندگیاں دیکھتے ہیں اور خود کو ناکام محسوس کرنے لگتے ہیں، حالانکہ حقیقت میں لاکھوں لوگ ایک ہی جدوجہد کا شکار ہیں۔

کئی خاندان اب دو دو نوکریاں کر رہے ہیں مگر پھر بھی مالی سکون حاصل نہیں کر پا رہے۔ میاں بیوی دونوں کام کرتے ہیں، پورا دن محنت کرتے ہیں، مگر مہینے کے آخر میں پھر بھی یہی سوال سامنے کھڑا ہوتا ہے کہ اگلا مہینہ کیسے گزرے گا۔ ایک وقت تھا جب برطانیہ کو استحکام اور مضبوط معیشت کی مثال سمجھا جاتا تھا۔ دنیا بھر کے لوگ وہاں بہتر زندگی کے خواب لے کر جاتے تھے۔ مگر اب خود برطانیہ کے شہری یہ سوال پوچھ رہے ہیں کہ آخر مسلسل محنت کے باوجود زندگی آسان کیوں نہیں ہو رہی۔ مہنگائی، ہاؤسنگ بحران، توانائی کی بڑھتی قیمتیں اور معاشی عدم تحفظ نے عام انسان سے سکون چھین لیا ہے۔ لوگ صرف زندہ رہنے کے لیے کام کر رہے ہیں، زندگی کو انجوائے کرنے کے لیے نہیں۔

سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ ایمانداری سے کام کرنے والے لوگ بھی اب خود کو غیر محفوظ محسوس کرتے ہیں۔ فل ٹائم نوکری کبھی تحفظ کی علامت سمجھی جاتی تھی، مگر اب یہ صرف مسلسل تھکن اور ذہنی دباؤ کا دوسرا نام بنتی جا رہی ہے۔

معاشرے میں ایک خاموش غصہ بڑھ رہا ہے۔ لوگ محسوس کرتے ہیں کہ نظام ان کے خلاف کام کر رہا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ بڑی کمپنیاں منافع کما رہی ہیں، مگر عام ورکر کی زندگی مشکل سے مشکل تر ہوتی جا رہی ہے۔

یہ کہنا غلط ہوگا کہ لوگ محنت نہیں کرنا چاہتے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ لوگ پہلے سے زیادہ کام کر رہے ہیں، زیادہ گھنٹے لگا رہے ہیں، زیادہ دباؤ برداشت کر رہے ہیں، مگر اس کے باوجود بنیادی ضروریات پوری کرنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ آج برطانیہ میں لاکھوں لوگ صرف ایک چیز چاہتے ہیں: ایسی زندگی جہاں فل ٹائم کام کرنے کے بعد کم از کم اتنا سکون ہو کہ انسان ہر وقت خوف اور پریشانی میں نہ جیے۔ جہاں تنخواہ صرف بل ادا کرنے کے لیے نہ ہو بلکہ زندگی گزارنے کے لیے بھی کافی ہو۔

انسان صرف زندہ رہنے کے لیے نہیں جیتا۔ وہ سکون، عزت، تحفظ اور بہتر مستقبل کی امید کے لیے بھی جیتا ہے۔ مگر جب پورا نظام ہی انسان کو مسلسل دوڑاتے ہوئے بھی منزل نہ دے، تو پھر تھکن صرف جسم میں نہیں بلکہ روح میں بھی اتر جاتی ہے۔

ISSN # : 3080-9746

قربانی! منشورِ بندگی اور فلسفۂ تسلیم ورضا

تحریر: صاحبزادہ ذیشان کلیم معصومی

قربانی محض ایک رسمِ سالانہ نہیں، بلکہ روح کے تڑپنے اور نفس کے مٹنے کا وہ لازوال استعارہ ہے جس کی گونج صدیوں سے انسانیت کے ضمیر میں سنائی دے رہی ہے۔ یہ داستانِ وفا اس وقت شروع ہوئی جب کائنات نے ہابیل و قابیل کے نذرانوں کو دیکھا، لیکن اسے معراج اس وقت نصیب ہوئی جب ریگزارِ عرب کے تپتے میدان میں جدِ امجد، ابوالانبیاء، حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے لختِ جگر، جدِ رسولِ عربی، حضرت سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کے حلقِ مبارک پر چھری رکھ دی۔ تاریخِ انسانی گواہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے قبل بھی امتوں میں قربانی کا تصور موجود تھا، مگر تب یہ عمل ایک کڑی آزمائش کی صورت میں تھا؛ آسمان سے ایک آگ اترتی اور مقبول قربانی کو جلا کر بھسم کر دیتی۔ گوشت کھانا تو درکنار، اسے چھونا بھی منع تھا۔ یہ تو صاحبِ لولاک، فخرِ موجودات، سید المرسلین ﷺ کا صدقہ اور آپ ﷺ کا وسیلہ ہے کہ اللہ کریم نے اس امت کے لیے "ضیافتِ الٰہی" بنا دی۔ آج ہم جو قربانی بھی کرتے ہیں اور گوشت سے رغبت بھی فرماتے ہیں، یہ سراسر حبیبِ کبریا ﷺ کی نعلینِ پاک کا تصدق ہے کہ عبادت کو لذت اور نذرانے کو نعمت میں بدل دیا گیا۔

ایامِ نحر کی فضیلت اور اس کی اہمیت کا اندازہ تاجدارِ کائنات ﷺ کے اس فرمانِ عالیشان سے ہوتا ہے کہ: "قربانی کے ایام میں ابنِ آدم کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں"۔ یہ وہ ایام ہیں جن میں اللہ کی راہ میں جانور قربان کرنا وہ منفرد عبادت ہے جس کا نعم البدل دنیا کی کوئی دوسری چیز نہیں ہو سکتی۔ آج کل کے دور میں بعض نام نہاد دانشور اور جدت پسند مفکرین یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ جانور ذبح کرنے کے بجائے وہ رقم کسی غریب کی مدد یا سماجی کاموں میں خرچ کر دی جائے۔ یہ فکر شریعتِ مطہرہ کے بنیادی ڈھانچے سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ اسلام میں ہر عبادت کا اپنا ایک مخصوص وقت اور طریقہ مقرر ہے؛ جس طرح رمضان کے روزوں کا متبادل صدقہ نہیں ہو سکتا اور حج کی جگہ کوئی اور عمل نہیں لے سکتا، اسی طرح ان مخصوص تین دنوں میں قربانی کا متبادل کوئی مالی امداد نہیں ہو سکتی۔

انسانی ہمدردی اور غریبوں کی مدد کے لیے پورا سال موجود ہے، لیکن ایامِ قربانی میں صرف وہی عمل اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہے جس کا حکم ربِ ذوالجلال نے دیا اور جس کی سنت سیدنا خلیل اللہ علیہ السلام اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے قائم فرمائی۔ شریعت کے مقرر کردہ احکامات کسی فلسفے یا انسانی عقل کے تابع نہیں بلکہ وحیِ الٰہی کے تابع ہوتے ہیں، اور یہ سنتِ ابراہیمی قیامت تک اسی شان سے جاری وساری رہے گی۔

اگر اسوۂ خلیلِ خدا علیہ السلام کی معنویت پر غور کیا جائے تو سیدنا خلیل اللہ علیہ السلام کا استقلال اور سیدنا ذبیح اللہ علیہ السلام کی تسلیم و رضا بندگی کے وہ مینار ہیں جن پر اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہے۔ قرآنِ حکیم پکار پکار کر کہتا ہے: "لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ" (اللہ کو ان کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے)۔ یہ آیت اس حقیقت پر مہرِ تصدیق ثبت کرتی ہے کہ قربانی کی افادیت صرف جانور ذبح کرنے میں نہیں بلکہ اس قلبی کیفیت میں ہے جو اللہ کی محبت میں ہر شے لٹا دینے پر آمادہ کرتی ہے۔ وہ چھری گوشت کاٹنے کے لیے نہیں، بلکہ انسانی تعلق کے اس ہر حجاب کو چاک کرنے کے لیے چلی تھی جو خالق اور مخلوق کے درمیان حائل ہو سکتا تھا۔ قدرت کو یہ ادا ایسی بھائی کہ اس نے ذبحِ انسانی کو ذبحِ عظیم سے بدل کر اسے رہتی دنیا تک کے لیے "سنتِ ابراہیمی" اور "شعارِ اسلام" بنا دیا۔

لیکن صد افسوس! آج کے مادی دور میں ہم نے اس عظیم عبادت کے پیکر کو تو اپنا لیا مگر اس کی روح کو فراموش کر دیا۔ آج قربانی ایثار کے بجائے نمائش کا ذریعہ بن چکی ہے۔ منڈیوں میں جانوروں کے قد اور قیمتوں پر فخر کیا جاتا ہے، اور تقویٰ کے بجائے "دولت کی چمک" دکھائی جاتی ہے۔ سیلفیوں کے اس دور میں اخلاص کہیں دھندلا گیا ہے۔ موجودہ حالات کا المیہ یہ ہے کہ ہمارے فریز تو بہترین گوشت اور ران کے پارچوں سے بھر جاتے ہیں، مگر محلے کا غریب صرف چھیچھڑوں اور ہڈیوں کی آس میں دروازے پر کھڑا رہ جاتا ہے۔ ہم اچھی بوٹیاں اپنے فریجوں اور بااثر رشتہ داروں کے لیے بچا کر رکھتے ہیں، جبکہ مساکین اور فلاحی اداروں کے حصے میں وہ کچھ آتا ہے جو ہماری اپنی طبع پر گراں گزرتا ہے۔ کیا یہی وہ فلسفہ تھا جس کی بنیاد حضرت سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام نے اپنے سجدے سے رکھی تھی؟ کیا یہی وہ طریقہ ہے جو صحابہ کرامؓ اور اہلِ بیتِ اطہارؑ نے ہمیں سکھایا؟

قربانی تو نام ہی اپنی پسندیدہ شے کو اللہ کے نام پر لٹا دینے کا ہے۔ اگر ہم نے اپنے اندر کے بخل، تکبر اور حرص کے جانور کو ذبح نہ کیا، تو خون کے بہنے سے گوشت تو مل سکتا ہے، مگر وہ "تقویٰ" ہرگز نہیں مل سکتا۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ قربانی کی شان یہ ہے کہ وہ ہمیں "نفسِ امارہ" پر فتح دلاتی ہے اور اس کی افادیت یہ ہے کہ یہ معاشرے میں ہمدردی، اخوت اور معاشی توازن پیدا کرتی ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ قربانی ایک عہد ہے کہ ہم اپنی انا اور خواہشات کو احکامِ الٰہی کے تابع کر دیں گے۔ جب تک ہم اپنی قربانیوں کو نمائش کے غبار سے پاک نہیں کریں گے اور گوشت کی تقسیم میں عدل و احسان کا دامن نہیں تھامیں گے، تب تک ہم اس "ذبحِ عظیم" کی برکات سے محروم رہیں گے۔ آیئے! اس بار جب چھری اٹھائیں تو نیت صرف گوشت کی نہ ہو، بلکہ اپنے اندر کی فرعونیت کو ذبح کرنے کی ہو۔

ISSN # : 3080-9746

اصغر علی کھوکھر

سیالکوٹ میں ٹیکنالوجی اینڈ انوویشن سمٹ 2026ء!

صنعتی ترقی کے اعتبار سے کراچی، فیصل آباد، پشاور اور کوئٹہ وغیرہ کے بعد سیالکوٹ کی پہچان بھی اب وطن عزیز کے ایک بڑے صنعتی مرکز کی حیثیت سے ہونے لگی ہے، جہاں سپورٹس اور لیدر کی مصنوعات کے علاوہ سرجیکل آلات کی جدید تقاضوں کے مطابق تیاری عروج پر ہے۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ سیالکوٹ میں سرجیکل کی صنعت انتہائی نامساعد حالات میں بھی ترقی کی منازل طے کر رہی ہے جبکہ ملک میں توانائی کے مسلسل بحران کے ساتھ ساتھ مختلف ٹیکسوں کی بھرمار کے باعث ملک بھر میں ہزاروں صنعتی یونٹ بند ہو رہے ہیں۔ ان حالات میں دیگر شعبوں

ایونٹ کا بنیادی مقصد سرجیکل انڈسٹری میں جدید ٹیکنالوجی کا فروغ ہے

سیالکوٹ میں قائم سرجیکل کی صنعت کی تاریخ سو برس پرانی ہے۔ یہاں چھوٹے بڑے اور درمیانے درجے کے 1900 یونٹ قائم ہیں، جن سے ایک لاکھ سے زائد کاریگروں کا روزگار وابستہ ہے

ماہرین نے ان مشینوں کو سرجیکل مصنوعات کی کوالٹی بہتر بنانے کے لئے ناگزیر قرار دیا

کی طرح سرجیکل کے شعبے میں سرمایہ کاری میں دلچسپی ظاہر کرنے والی شخصیات کے جذبۂ حب الوطنی کی جتنی بھی تعریف و تحسین کی جائے کم ہے۔

یہ بات خوش آئند ہے کہ درپیش مالی و دیگر مسائل و مشکلات کے باوجود سرجیکل ایسوسی ایشن سیالکوٹ کی جانب سے سرجیکل انڈسٹری میں جدید ٹیکنالوجی کے فروغ کے لئے "ٹیکنالوجی اینڈ انوویشن سمٹ 2026ء" کے چوتھے ایڈیشن کے انعقاد کا اہتمام کیا گیا۔ یہ تقریب جس میں سرجیکل ٹیکنالوجی کے ماہرین، صنعت کاروں اور کاروباری حضرات نے بھرپور شرکت کی، سیالکوٹ کینٹ ویو مارکی میں منعقد ہوئی۔ تقریب کے انعقاد کے حوالے سے چیئرمین سرجیکل ایسوسی ایشن جناب ذیشان طارق اور محترم یوسف باجوہ (ای کال سرجیکل) کی ذاتی دلچسپی اور مخلصانہ کوششیں قابل تقلید و تحسین ہیں۔ ایونٹ میں بزنس انٹرنیشنل کے ڈائریکٹر جناب قمر سہیل نے بطور خاص شرکت کی اور سرجیکل کی صنعت کی ترقی کے لئے جدید خطوط پر مارکیٹنگ اور ڈیجیٹل عمل کی ضرورت واہمیت پر زور دیا۔ تقریب کی ایک خاص بات نیو ٹیکنیکل مشنری کے اونر جناب محمد انعام قادری کا سٹال تھا جہاں رکھی گئی جدید ترین مشینری سرجیکل کے شعبے سے وابستہ شخصیات کی توجہ کا مرکز بنی رہی۔ ماہرین نے ان مشینوں کو سرجیکل مصنوعات کی کوالٹی بہتر بنانے کے لئے ناگزیر قرار دیا۔ اس موقع پر چیئرمین سرجیکل ایسوسی ایشن ذیشان طارق نے کہا کہ "ٹیکنالوجی اینڈ انوویشن سمٹ" اب سیالکوٹ میں سرجیکل کی صنعت کی ترقی کی علامت بن چکی ہے۔

نیو ٹیکنیکل مشنری کے روح رواں جناب محمد انعام قادری نے بتایا کہ توانائی کے مسلسل بحران اور درپیش دیگر مسائل کے باوجود سیالکوٹ میں سرجیکل کی صنعت وسعت پذیر ہونا خوش آئند ہے۔ جناب انعام قادری نے بتایا کہ سرجیکل آلات کی برآمدات کا حجم 335 ملین ڈالر تک پہنچ چکا ہے۔ سیالکوٹ میں تیار ہونے والی قینچیاں، ڈینٹل آلات، ویٹرنری آلات، آرتھو پیڈک اور پارلر اوزار ISO, CE اور FDA سرٹیفکیٹ پر پورے اترتے ہیں۔ یہاں تیار ہونے والے آلات امریکہ، جرمنی، برطانیہ، فرانس، اٹلی، جاپان، نیدرلینڈ اور دبئی سمیت 80 ممالک میں برآمد کئے جاتے ہیں۔ سیالکوٹ میں قائم سرجیکل کی صنعت کی تاریخ سو برس پرانی ہے۔ یہاں چھوٹے بڑے اور درمیانے درجے کے 1900 یونٹ قائم ہیں، جن سے ایک لاکھ سے زائد کاریگروں کا روزگار وابستہ ہے۔ سرجیکل مصنوعات کی برآمد کی بات کی جائے تو اس شعبے سے بالواسطہ یا بلاواسطہ چار لاکھ افراد روزی کما رہے ہیں۔ اس صنعت کی ترقی کا راز یونٹوں کے مالکان اور کاریگروں کی شبانہ روز مخلصانہ محنت میں پنہاں ہے۔ یہ صنعت ترقی کی مزید منازل طے کر سکتی ہے اگر حکومت اس شعبے میں سرمایہ کاری کرنے والوں کو درپیش مسائل پر خلوص نیت سے توجہ دے۔ اس تناظر میں سیالکوٹ چیمبر آف کامرس کی طرف سے مالی بجٹ 27-2026ء کے لئے تجویز کردہ مالی سفارشات پر گہری تشویش کا اظہار کیا گیا ہے اور حکومت پر واضح کر دیا گیا ہے کہ ان نامساعد حالات میں طلب کے مطابق سرجیکل آلات کی تیاری اور برآمدات کا ہدف پورا کرنا انتہائی مشکل ہے۔ بہترین قومی مفادات کا تقاضا ہے کہ ارباب اختیار اس پر بروقت توجہ دیں تاکہ اس صنعت کی بدولت ملک بھی ترقی وخوشحالی کی منازل طے کر سکے۔

☆☆☆

ISSN # : 3080-9746

کویت: سفارتخانہ پاکستان میں ''معرکہ حق'' کی پہلی سالگرہ: پروقار تقریب

وطن کیلئے جانیں قربان کرنے والوں کو زبردست خراج تحسین، کمیونٹی کی کثیر تعداد میں شرکت

رپورٹ: محمد عمر

کویت کے پاکستانی سفارتخانہ میں،، معرکہ حق،، کی پہلی سالگرہ پر ایک شاندار اور پروقار تقریب کا اہتمام کیا گیا، پاکستانی کمیونٹی کی معروف شخصیات کی بھرپور شرکت انکی وطن سے محبت اور عقیدت کی عکاسی کر رہی تھی، اس موقعہ پر پاکستان کی بہادر افواج کی لازوال قربانیوں اور پیشہ وارانہ صلاحیتوں کو بھرپور انداز سے خراج عقیدت پیش کیا گیا، کمپیئرنگ کے فرائض کمیونٹی ویلفیئر اتاشی حمزہ توقیر نے احسن طریقہ سے انجام دیئے، کارروائی کا باقاعدہ آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا، کمیونٹی ویلفیئر اتاشی نے معرکہ حق کی پہلی سالگرہ کے حوالہ سے صدر پاکستان آصف علی زرداری اور وزیراعظم شہباز شریف کے پیغامات پڑھ کر سنائے، انہوں نے اپنے پیغامات میں پاکستان کی مسلح افواج کی جرات، قربانیوں اور ملکی دفاع کیلئے بے مثال خدمات کو سراہا اور کہا کہ قوم اپنے شہدا اور غازیوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھے گی۔ عزت مآب سفیر پاکستان ڈاکٹر ظفر اقبال نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ معرکہ حق پاکستان کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے، معرکہ حق کے دوران پاکستان کی افواج نے ثابت کر دیا کہ پاکستانی قوم اور افواج ہر چیلنج کا مقابلہ کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہیں انہوں نے کہا کہ دفاع وطن کیلئے جانوں کے نذرانے پیش کرنے والے شہداء ہمارا فخر ہیں۔

انہوں نے کہا کہ بیرون ممالک میں مقیم پاکستانی بھی دفاع وطن کیلئے زندگیاں قربان کرنے کا جذبہ رکھتی ہیں۔ انہوں نے عزم ظاہر کیا کہ آئندہ بھی پاکستان مستقبل میں بھی ترقی؟ استحکام اور امن کے سفر کو جاری رکھے گا۔ دو پاکستانی طلبہ نے بھی معرکہ حق کے حوالہ سے خطاب کیا۔ پاکستان کی ترقی سلامتی اور خوشحالی کیلئے اجتماعی دعا بھی کی گئی۔

ISSN # : 3080-9746

کویت: پاک ڈونرز کے زیر اہتمام 33ویں بلڈ ڈونرز کیمپ کا انتہائی کامیاب انعقاد

عطیہ خون، کویت میں مقیم پاکستانیوں کا مشن، خواتین کی بھی کثیر تعداد میں شرکت

رپورٹ: محمد عمر

کویت میں پاکستانی کمیونٹی کی فلاحی تنظیم،، پاک ڈونرز،، نے 33ویں بلڈ ڈونیشن کیمپ کا انتہائی کامیابی سے انعقاد کیا، یہ کیمپ جابریہ بلڈ بینک میں منعقد ہوا جس میں پاکستانی کمیونٹی کے علاوہ ایشیائی تارکین وطن نے بھی کثیر تعداد میں شرکت کی، خون کے عطیات دینے والوں میں خواتین کی کثیر تعداد بھی شامل تھی۔ پاک ڈونرز کا مشن صرف عطیہ خون جمع کرنا ہی نہیں بلکہ انسانیت کی خدمت، حب الوطنی اور دکھی انسانیت کے درد کو محسوس کرنا بھی ہے۔ جواں سال رضا کاران کا جذبہ خدمت انسانیت قابل دید تھا جو کیمپ کے آغاز سے آخر تک بڑی جانفشانی سے خدمات سر انجام دیتے رہے۔ اس موقعہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے کمیونٹی کی ممتاز دینی وسماجی شخصیت حکیم طارق محمود صدیقی نے کہا کہ،، پاک ڈونرز،، صرف ایک بلڈ بینک نہیں بلکہ انسانیت کی خدمت کا ایک خوبصورت ذریعہ ہے۔ جو لوگ دوسروں کی جان بچانے کیلئے خون کا عطیہ دیتے ہیں وہ کمیونٹی کے حقیقی خدمت گزار ہیں، پاک ڈونرز کے ایڈوائزر نعمان احسن نے کہا کہ اس نیکی کے سفر میں شامل تمام رضا کار، ڈونرز اور منتظمین مبارکباد کے مستحق ہیں، کویت میں مقیم پاکستانی کمیونٹی انسانیت کی خدمت میں ہمیشہ پیش پیش رہی ہے۔ کویت میں پاکستانی میڈیا کی معروف شخصیت عمران ظفر جو اس کیمپ کے روح رواں بھی تھے، اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ رضا کاروں نے میڈیا ٹیم، انتظامیہ اور دیگر شعبوں میں بہترین انداز سے ذمہ داریاں نبھائیں، ان کی انتھک کوششوں کے نتیجہ میں ہی یہ کیمپ کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ پاک ڈونرز میڈیا کے انچارج وجیہہ بخاری نے کہا کہ سوشل میڈیا کمیونٹی کو تازہ ترین اطلاعات فراہم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، ان کی کوشش ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ عطیہ خون کی اہمیت کو سمجھیں۔ شعبہ خواتین کی انچارج محترمہ مریم ممتاز زہرا نے کہا کہ خون عطیہ کرنے کی مہم میں خواتین کی شمولیت اس بات کا ثبوت ہے کہ پاکستانی خواتین بھی خدمت انسانیت میں کسی سے کم نہیں۔

ISSN # : 3080-9746

کویت: سفیر پاکستان ڈاکٹر ظفر اقبال کی کویت کے قائم مقام وزیر دفاع و وزیر داخلہ شیخ عبداللہ علی السالم الصباح سے ملاقات

دفاعی تعلقات کو فروغ دینے اور سیکورٹی صورتحال پر تبادلہ خیال

رپورٹ: محمد عمر

کویت میں پاکستان کے سفیر ڈاکٹر ظفر اقبال نے پیر کے روز کویت کے قائم مقام وزیر دفاع اور وزیر داخلہ شیخ عبداللہ علی السالم الصباح سے ایک اہم ملاقات کی۔ وزارت دفاع کے انڈر سیکرٹری شیخ عبداللہ مشعل مبارک الصباح بھی اس موقعہ پر موجود تھے۔ پریس ریلیز کے مطابق اس اہم ملاقات کا مقصد دونوں ممالک کے درمیان برادرانہ تعلقات کو مزید مضبوط بنانا ہے۔ سفیر پاکستان اور کویتی وزیر داخلہ و قائم مقام وزیر دفاع کے درمیان ملاقات کے دوران دفاع اور سیکورٹی کے شعبوں میں تعلقات کو مزید فروغ دینے پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ بین الاقوامی اور خطہ کی سیکورٹی صورتحال پر بھی بات چیت کی گئی۔ اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ دوطرفہ تعلقات کو مزید بلندیوں پر لے جانے کیلئے مل کر کام کیا جائے گا۔

ISSN # : 3080-9746

پاکستان، ترکیہ: خلافت تحریک سے اب تک ایک لازوال برادرانہ رشتہ

تحریر: شبانہ ایاز

انقرہ کی تاریخی عمارتوں اور جدید یونیورسٹی کیمپس کے درمیان ایک ایسی تقریب کا انعقاد ہوا جو صرف یادگار نہیں بلکہ دو برادر ممالک کے درمیان صدیوں پرانے رشتوں کی زندہ گواہی بن گئی۔ انقرہ میں پاکستان کے سفارت خانے اور انقرہ یونیورسٹی کے مشترکہ اہتمام سے منعقد ہونے والی اس علمی و ثقافتی تقریب کا عنوان تھا۔ پاکستان ترکیہ تعلقات،، خلافت تحریک سے دورِ حاضر تک ثقافتی روابط۔

یہ تقریب نہ صرف ماضی کی یاد تازہ کرتی تھی بلکہ مستقبل کے تعاون کی راہ ہموار کرنے کا عزم بھی رکھتی تھی۔

یہ رپورٹ صرف خبر نہیں بلکہ ایک گہری تحقیق ہے جو تاریخی، لسانی، ثقافتی، دفاعی اور معاشی پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے ہے۔

تاریخی بنیاد۔ خلافت تحریک سے جنم لینے والا جذبہ

پاکستان اور ترکیہ کے تعلقات کی بنیاد صرف 1947ء میں پاکستان کے قیام پر نہیں رکھی گئی۔ بلکہ یہ 1919-1922ء کی خلافت تحریک سے جڑا رشتہ ہے جب برصغیر کے مسلمانوں نے عثمانی خلافت کے تحفظ کے لیے برطانوی سامراج کے خلاف آواز اٹھائی۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، حکیم اجمل خان اور دیگر لیڈروں نے نہ صرف فنڈز جمع کیے بلکہ ترکوں کی آزادی کی جنگ میں بھرپور حمایت کی۔ یہ تحریک ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں میں ترکوں کے لیے ایک جذباتی اور روحانی رشتہ رکھتی تھی۔

ترکیہ میں قیامِ جمہوریہ کے بعد بھی یہ رشتہ مضبوط رہا۔ ترکیہ پاکستان کو سب سے پہلے تسلیم کرنے والے ممالک میں سے ایک تھا۔

1951ء میں Treaty of Eternal Friendship پر دستخط ہوئے، جو آج بھی دونوں ممالک کے درمیان تعاون کی بنیاد ہیں۔ 1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگوں میں ترکیہ نے پاکستان کی سفارتی اور مادی حمایت کی۔ بدلے میں پاکستان نے قبرص کے ترکوں اور آذربائیجان کے تنازع نگورنو کاراباخ میں ترکیہ اور اس کے اتحادیوں کی حمایت کی۔ یہ "ایک جان دو قالب" والی دوستی ہے جو صرف بیان بازی نہیں بلکہ عملی اقدامات پر مبنی ہے۔

مغل دور میں بھی ترک اثرات گہرے تھے۔ ظہیر الدین بابر ترک النسل تھا، بابر کا تعلق بارلس قبیلے سے تھا۔ بابر نامہ ترکی (چغتائی) زبان میں لکھا گیا۔ مغل سلطنت میں ترکی زبان، فنون لطیفہ اور فوجی حکمت عملی کے اثرات آج بھی نظر آتے ہیں۔

سفیر پاکستان ڈاکٹر یوسف جنید نے تقریب میں درست کہا کہ یہ رشتے صدیوں پر محیط ہیں۔

لسانی و ثقافتی مماثلتیں۔ "اردو" کا ترکی نسب نامہ

تقریب میں سب سے دلچسپ بات *اردو* زبان کے نام کا ذکر تھا۔ "اردو" لفظ ترکی کے "Ordu" سے نکلا ہے، جس کا مطلب فوج یا لشکر ہے۔ مغل فوج میں بولی جانے والی اس زبان کو لشکری زبان بھی کہا جاتا تھا۔ دونوں زبانوں میں ہزاروں مشترک الفاظ ہیں جیسے کتاب (Kitap)، دل

ISSN # : 3080-9746

(Kalp سے قریب)، جان (Can)، محبت (Muhabbet)، قسمت (Kismet) حوا (Hava)، ناز (Naz)، پہلوان (Pehlivan)، معجزہ (Mucize) وغیرہ۔

انقرہ یونیورسٹی کا *شعبہ اردو* ان رشتوں کا زندہ ثبوت ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر اسومان بیلن اوزجان اس شعبے کی سربراہ ہیں، جو نہ صرف اردو پڑھاتی ہیں بلکہ پاکستان کی تاریخ و ثقافت پر بھی تحقیق کرتی ہیں۔ ان کا اردو نثر پر کتاب "Urdu Nesri" ترک زبان میں اردو ادب کا اہم ذریعہ ہے۔ یہ شعبہ دونوں ممالک کے درمیان علمی پل کا کام کر رہا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر عرفان البیارک (ڈین فیکلٹی آف لینگوئج، ہسٹری اینڈ جیوگرافی) نے علمی تعاون کو تعلقات کی مضبوطی کا بنیادی ستون قرار دیا۔

نے پاکستان میں اپنے طالب علمی کے دنوں کے دلچسپ تجربات سنائے۔ علی شاہین نے پاکستانی عوام کی مہمان نوازی کو بے مثال قرار دیا اور کہا کہ "پاک ترک دوستی اللہ کی طرف سے ایک مقدس امانت ہے"۔ برہان کایاترک نے بھی یکجہتی اور تعاون کو سراہا۔ یہ ذاتی تجربات اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ تعلقات صرف سرکاری سطح پر نہیں بلکہ عوامی سطح پر بھی گہرے ہیں۔

دفاعی اور معاشی تعاون مستقبل کی راہیں

تاریخی اور ثقافتی رشتوں نے دفاعی تعاون کو بھی جنم دیا۔ پاکستان اور ترکیہ مشترکہ فوجی مشقیں کرتے ہیں (جیسے مشق جناح)۔ ترکیہ کی MILGEM پروجیکٹ کے تحت پاکستان نیوی کو جدید کورویٹس مل رہے ہیں جن میں سے ایک کا نام PNS* Babur* رکھا گیا ہے — بابر کی یاد میں۔ دونوں

تقریب کے اختتام پر پاکستانی طلبہ نے شاندار ثقافتی پروگرام پیش کیا۔ شاعری، قوالی، روایتی رقص (بھنگڑا، لوٹے وغیرہ) اور ثقافتی نمائش نے حاضرین کو مسحور کر دیا۔ ترک مہمانوں نے تالیاں بجاتے ہوئے پاکستانی ثقافت کی خوبصورتی کو سراہا۔ یہ پروگرام اس بات کا ثبوت تھا کہ تعلقات اب صرف سفارتی نہیں بلکہ دل سے دل تک پہنچ چکے ہیں۔

یہ تقریب صرف ایک یادگار تقریب نہیں تھی بلکہ ایک عزم کا اعادہ تھی۔ دونوں ممالک کے مقررین نے تعلیمی، ثقافتی اور عوامی تبادلوں کو مزید فروغ دینے کا وعدہ کیا۔ آج جب دنیا جغرافیائی سیاست کے نئے چیلنجز کا سامنا کر رہی ہے تو پاکستان اور ترکیہ جیسے برادر ممالک کا باہمی تعاون نہ صرف ان دونوں کے لیے بلکہ پوری مسلم امہ کے لیے استحکام کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

تقریب کے اہم خطابات۔ذاتی تجربات اور عزم

پاکستان کے سفیر ڈاکٹر یوسف جنید نے اپنے خطاب میں کہا کہ یہ تعلقات مشترکہ تاریخ، ثقافتی مماثلت اور باہمی احترام پر قائم ہیں۔ انہوں نے مغل دور کے ترک اثرات، بابر کے ترک النسل اور لسانی روابط کا تفصیلی ذکر کیا۔ انقرہ یونیورسٹی کے اردو شعبے کی تعریف کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ شعبہ دونوں ممالک کے درمیان علمی تعاون کو مضبوط بنا رہا ہے۔

ترک ارکان پارلیمنٹ علی شاہین اور برہان کایاترک

ممالک drone ٹیکنالوجی، ایرواسپیس اور مشترکہ دفاعی پیداوار پر کام کر رہے ہیں۔

دونوں برابر ممالک میں معاشی طور پر بھی تعاون بڑھ رہا ہے۔ تجارت، سیاحت، تعلیم اور سرمایہ کاری کے نئے معاہدے ہو رہے ہیں۔ 24 معاہدوں کا ذکر حالیہ رپورٹس میں ملتا ہے۔ علاقائی مسائل جیسے کشمیر، قبرص اور آذربائیجان پر دونوں ممالک ایک دوسرے کے موقف کی حمایت کرتے ہیں۔

ثقافتی پروگرام۔عوامی سطح کا جوش

ڈاکٹر یوسف جنید، علی شاہین، برہان کایاترک، پروفیسر عرفان البیارک اور پروفیسر اسومان بیلن اوزجان جیسے افراد اس رشتے کے سفیر ہیں۔ انقرہ یونیورسٹی کا اردو شعبہ اس پل کا کام کر رہا ہے جو نسلوں کو جوڑے گا۔ پاکستان اور ترکیہ کا رشتہ خلافت تحریک کی آگ سے پروان چڑھا، مغل ترکی اثرات سے رنگین ہوا، آزادی کی جنگوں میں مضبوط ہوا اور آج دفاعی، معاشی اور ثقافتی تعاون کی شکل میں پھل پھول رہا ہے۔ یہ رشتہ "کاردیش" (بھائی) کا رشتہ ہے جو وقت کے ساتھ مزید گہرا ہوتا جا رہا ہے۔

ISSN # : 3080-9746

آج پھر گردشِ تقدیر پہ رونا آیا
دل کی بگڑی ہوئی تصویر پہ رونا آیا
عشق کی قید میں اب تک تو امیدوں پہ جئے
مٹ گئی آس تو زنجیر پہ رونا آیا
کیا حسیں خواب محبت نے دکھایا تھا ہمیں
کھل گئی آنکھ تو تعبیر پہ رونا آیا
پہلے قاصد کی نظر دیکھ کے دل سہم گیا
پھر تری سرخیٔ تحریر پہ رونا آیا
دل گنوا کر بھی محبت کے مزے مل نہ سکے
اپنی کھوئی ہوئی تقدیر پہ رونا آیا
کتنے مسرور تھے جینے کی دعاؤں پہ شکیلؔ
جب ملے رنج تو تاثیر پہ رونا آیا

☆☆☆☆☆☆☆☆

غم عاشقی سے کہہ دو رہ عام تک نہ پہنچے
مجھے خوف ہے یہ تہمت ترے نام تک نہ پہنچے
میں نظر سے پی رہا تھا تو یہ دل نے بد دعا دی
ترا ہاتھ زندگی بھر کبھی جام تک نہ پہنچے
وہ نوائے مضمحل کیا نہ ہو جس میں دل کی دھڑکن
وہ صدائے اہل دل کیا جو عوام تک نہ پہنچے
مرے طائر نفس کو نہیں باغباں سے رنجش
ملے گھر میں آب و دانہ تو یہ دام تک نہ پہنچے
نئی صبح پر نظر ہے مگر آہ یہ بھی ڈر ہے
یہ سحر بھی رفتہ رفتہ کہیں شام تک نہ پہنچے
یہ ادائے بے نیازی تجھے بے وفا مبارک
مگر ایسی بے رخی کیا کہ سلام تک نہ پہنچے
جو نقاب رخ اٹھا دی تو یہ قید بھی لگا دی
اٹھے ہر نگاہ لیکن کوئی بام تک نہ پہنچے
انہیں اپنے دل کی خبریں مرے دل سے مل رہی ہیں
میں جو ان سے روٹھ جاؤں تو پیام تک نہ پہنچے
وہی اک خموش نغمہ ہے شکیلؔ جان ہستی
جو زبان پر نہ آئے جو کلام تک نہ پہنچے

☆☆☆☆☆☆☆☆

اب تو خوشی کا غم ہے نہ غم کی خوشی مجھے
بے حس بنا چکی ہے بہت زندگی مجھے
وہ وقت بھی خدا نہ دکھائے کبھی مجھے
ان کی ندامتوں پہ ہو شرمندگی مجھے
رونے پہ اپنے ان کو بھی افسردہ دیکھ کر
یوں بن رہا ہوں جیسے اب آئی ہنسی مجھے

شکیل بدایونی

یوں دیجئے فریب محبت کہ عمر بھر
میں زندگی کو یاد کروں زندگی مجھے
رکھنا ہے تشنہ کام تو ساقی بس اک نظر
سیراب کر نہ دے مری تشنہ لبی مجھے
پایا ہے سب نے دل مگر اس دل کے باوجود
اک شے ملی ہے دل میں کھٹکتی ہوئی مجھے
راضی ہوں یا خفا ہوں وہ جو کچھ بھی ہوں شکیلؔ
ہر حال میں قبول ہے ان کی خوشی مجھے

☆☆☆☆☆☆☆☆

شکیل بدایونی کی اس غزل پر ایک پیج کے عظیم نقاد کی رائے
مری زندگی پہ نہ مسکرا، مجھے زندگی کا الم نہیں
جسے تیرے غم سے ہو واسطہ وہ خزاں بہار سے کم نہیں
مرا کُفر حاصلِ زُہد ہے، مرا زُہد حاصلِ کُفر ہے
مری بندگی ہے وہ بندگی جو رہینِ دیر و حرم نہیں
مجھے راس آئیں خدا کرے یہی اشتباہ کی ساعتیں
اُنہیں اعتبارِ وفا تو ہے مجھے اعتبارِ ستم نہیں
وہی کارواں، وہی راستے، وہی زندگی، وہی مرحلے
مگر اپنے اپنے مقام پر کبھی تم نہیں، کبھی ہم نہیں
نہ وہ شانِ جبرِ شباب ہے، نہ وہ رنگ قہرِ عذاب ہے
دلِ بے قرار پہ ان دنوں، ہے ستم یہی کہ ستم نہیں
نہ فنا مری، نہ بقا مری، مجھے اے شکیلؔ نہ ڈھونڈیئے
میں کسی کا حسنِ خیال ہوں، مرا کچھ وجود و عدم نہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆

مرے ہم نفس مرے ہم نوا مجھے دوست بن کے دغا نہ دے
میں ہوں سوزِ عشق سے جاں بلب مجھے زندگی کی دغا نہ دے
میں غم جہاں سے نڈھال ہوں میں سراپا حزن و ملال ہوں
جو لکھے ہیں میرے نصیب میں وہ الم کسی کو خدا نہ دے
نہ یہ زندگی مری زندگی نہ یہ داستاں مری داستاں
میں خیال وہم سے دور ہوں مجھے آج کوئی صدا نہ دے
مرے گھر سے دور ہیں راحتیں مجھے ڈھونڈھتی ہیں مصیبتیں
مجھے خوف ہے کہ میرا پتہ کوئی گردشوں کو بتا نہ دے
مرے داغ دل سے ہے روشنی اسی روشنی سے ہے زندگی
مجھے ڈر ہے اے مرے چارہ گر یہ چراغ تو ہی بجھا نہ دے
وہ اٹھے ہیں لے کے خم و سبو ارے او شکیلؔ کہاں ہے تو
ترا جام لینے کو بزم میں کوئی اور ہاتھ بڑھا نہ دے

☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ تمام غنچہ و گل، میں ہنسوں تو مسکرائیں
کبھی یک بیک جو رو دوں تو ستارے ٹوٹ جائیں
مرے داغِ دل کی تابش جو کبھی یہ دیکھ پائیں
وہیں رشکِ بے اماں سے مہ و مہر ڈوب جائیں
کبھی ذوقِ جستجو پر اگر اعتبار کر لوں
سرِ راہ منزلیں خود مجھے ڈھونڈنے کو آئیں
کبھی بے قرار ہو کر جو میں سازِ عشق چھیڑوں
تو یہ مشتری و زہرہ کوئی گیت پھر نہ گائیں
سرِ میکدہ جو دیکھیں مری مے کشی کا منظر
ہوں شیوخ سر بسجدہ کرے زہد التجائیں

☆☆☆☆☆☆☆☆

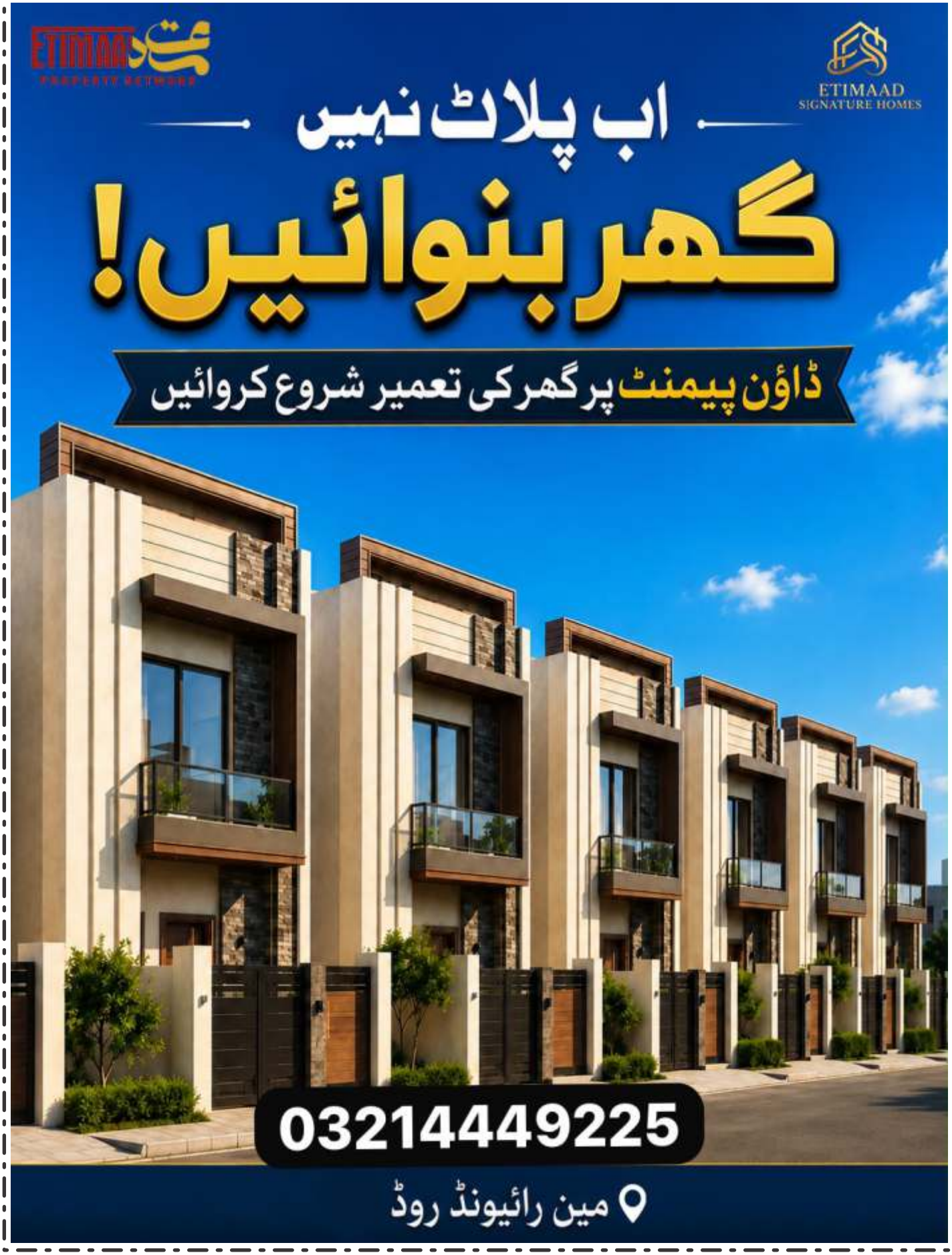

ISSN # : 3080-9746

معروف شاعر: ساغر صدیقی

ساغر صدیقی کا پیدائشی نام محمد اختر تھا

وہ (1928ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے اور 19 جولائی 1974ء کو لاہور میں وفات ہوئے۔ وہ اُردو زبان کے شاعر تھے۔

تحریر و تحقیق: علی حیدر شیخ

ساغر صدیقی کا پیدائشی نام محمد اختر تھا وہ (1928ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے، اور 19 جولائی 1974ء کو لاہور میں وفات ہوئے۔ وہ اُردو زبان کے شاعر تھے۔

اصل خاندان اِن کا انبالے سے تھا اور وہ پیدا بھی انبالے میں ہوئے۔ سال 1964ء کا تھا۔ گھر میں ہر طرف افلاس اور نکبت کا دور دورہ تھا۔ ایسے میں تعلیم کا کیا سوال! محلے میں ایک بزرگ حبیب حسن رہتے تھے، انھیں کے پاس آنے جانے لگے۔ جو کچھ پڑھا انھیں سے اس کے بعد شاید ورنیکلر مڈل کے کچھ درجے بھی پاس کر لیے ہوں۔ ایک دن انھوں نے اس ماحول سے تنگ آ کر امرتسر کی راہ لی اور یہاں ہال بازار میں ایک دکان دار کے ہاں ملازم ہو گئے جو لکڑی کی کنگھیاں بنا کر فروخت کیا کرتا تھا۔ اُنہوں نے بھی یہ کام سیکھ لیا۔ دن بھر کنگھیاں بناتے اور رات کو اسی دکان کے کسی گوشے میں پڑے رہتے۔ لیکن شعر 14، 15 برس کے عرصے میں ہی کہنے لگے تھے اور اپنے بے تکلف دوستوں کی محفل میں سناتے بھی تھے۔ شروع میں تخلص ناصر مجازی تھا لیکن جلد ہی اسے چھوڑ کر ساغر صدیقی ہو گئے۔

ساغر کی اصل شہرت 1944ء میں ہوئی۔ اس سال امرتسر میں ایک بڑے پیمانے پر مشاعرہ قرار پایا۔ اس میں شرکت کے لیے لاہور کے بعض شاعر بھی مدعو تھے۔ ان میں ایک صاحب کو معلوم ہوا کہ یہ "لڑکا" (ساغر صدیقی) بھی شعر کہتا ہے۔ اُنہوں نے منتظمین سے کہہ کر اسے مشاعرے میں پڑھنے کا موقع دلوا دیا۔ ساغر کی آواز میں بلا کا سوز تھا اور وہ ترنم میں پڑھنے میں جواب نہیں رکھتا تھا۔ بس پھر کیا تھا، اس شب اس نے صحیح معنوں میں مشاعرہ لوٹ لیا۔

قدرتاً اس کے بعد امرتسر اور لاہور کے مشاعروں میں اس کی مانگ بڑھ گئی۔ اب اس نے کنگھیاں بنانے کا کام چھوڑ دیا اور بعض سرپرست احباب کی مدد سے اپنا علم اور صلاحیت بڑھانے کی کوشش کی۔ مشاعروں میں شرکت کے باعث اتنی یافت ہو جاتی تھی کہ اسے اپنا پیٹ پالنے کے لیے مزید تگ و دو کی قطعی ضرورت نہ رہی۔ گھر والے بے شک ناراض تھے کہ لڑکا آوارہ ہو گیا ہے اور کوئی کام نہیں کرتا۔ لیکن اسے ان کی کیا پروا تھی، اس نے گھر آنا جانا ہی چھوڑ دیا۔ کلام پر اصلاح لینے کے لیے لطیف انور گورداسپوری مرحوم کا انتخاب کیا اور ان سے بہت فیض اٹھایا۔

1947ء میں پاکستان بنا تو وہ امرتسر سے لاہور آ گئے۔ یہاں دوستوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس کا کلام مختلف پرچوں میں چھپنے لگا۔ سینما فلم بنانے والوں نے اسے گیتوں کی فرمائش کی اور اسے حیرتناک کامیابی ہوئی۔ اس دور کی متعدد فلموں کے گیت ساغر کے لکھے ہوئے ہیں۔ اس زمانے میں اس کے سب سے بڑے سرپرست انور کمال پاشا (ابن حکیم احمد شجاع مرحوم) تھے۔ جو پاکستان میں فلم سازی کی صنعت کے بانیوں میں ہیں۔ انھوں نے اپنی بیشتر فلموں کے گانے ساحر سے لکھوائے اور یہ بہت مقبول ہوئے۔ 1947ء سے 1952 تک ساغر کی زندگی کا زرّیں دور کہا جا سکتا ہے۔ وہ لاہور کے کئی روزنامہ اور ہفتہ وار پرچوں سے منسلک ہو گیا، بلکہ بعض جریدے تو اسی کی ادارت میں شائع ہوتے رہے۔ لیکن اس کے بعد شامت اعمال سے حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ وہ کہیں کا نہ رہا اور اخیر میں صحیح معنوں میں مرقّع عبرت بن گیا۔

1952ء کی بات ہے کہ وہ ایک ادبی ماہنامے کے دفتر میں بیٹھے تھے۔ انھوں نے سردرد اور اضمحلال کی شکایت کی۔ پاس ہی ایک اور شاعر دوست بھی بیٹھے۔ انھوں نے تعلق خاطر کا اظہار کیا اور اخلاص ہمدردی میں انھیں مارفیا کا ٹیکہ لگا دیا۔ سردرد اور اضمحلال تو دور ہو گیا لیکن اس معمولی واقعے نے ان کے جسم کے اندر نشہ بازی کے تناور درخت کا بیج بو دیا۔ بدقسمتی سے ایک اور واقعے نے اس رجحان کو مزید تقویت دی۔ اس زمانے میں وہ انارکلی لاہور میں ایک دوست کے والد (جو پیشہ کے لحاظ سے ڈاکٹر تھے) مطب کی اوپر کی منزل میں رہتے تھے۔ اسی کمرے میں ان کے ساتھ ایک دوست بھی مقیم تھے (اب نام کیا لکھوں) ان صاحب کو ہر طرح کے نشوں کی عادت تھی۔ ہوتی کو کون ٹال سکتا ہے۔ ان کی صحبت میں ساغر بھی رفتہ رفتہ اولا بھنگ اور شراب اور ان سے گذر کر افیون اور چرس کے عادی ہو گئے۔ اگر کوئی راہ راست سے بھٹک جائے اور توفیق ایزدی اس کی دستگیری نہ کرے، تو پھر اس کا تحت الثری سے ادھر کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔

یہی ساغر کے ساتھ ہوا اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ خود ان کے دوستوں میں سے بیشتر ان کے ساتھ ظلم کیا۔ یہ لوگ انھیں چرس کی پڑیا اور مارفیا کے ٹیکے کی شیشیاں دیتے اور ان سے غزلیں اور گیت لے جاتے، اپنے نام سے پڑھتے اور چھپواتے اور بحیثیت شاعر اور گیت کار اپنی شہرت میں اضافہ کرتے۔ اس کے بعد اس نے رسائل اور جرائد کے دفتر اور فلموں کے اسٹوڈیو آنا جانا چھوڑ دیا۔ اس میں بھی کوئی مبالغہ نہیں کہ اداروں کے کرتا دھرتا اس کے کام کی اجرت کے دس روپے بھی اس وقت ادا نہیں کرتے تھے، جب وہ ان کے در دولت کی چوکھٹ پر دس سجدے نہ کرے۔ اس نے ساغر کے مزاج کی تلخی اور دُنیا بیزاری اور ہر وقت "بے خود" رہنے کی خواہش میں اضافہ کیا اور بالکل آوارہ ہو گیا۔ نوبت بایں رسید کہ کبھی وہ ننگ دھڑنگ ایک ہی میلی کچیلی چادر اوڑھے اور کبھی چیتھڑوں میں ملبوس، بال بکھرائے ننگے پانو۔۔۔۔ منہ میں بیڑی یا سگریٹ لیے سڑکوں پر پھرتا رہتا اور رات کو نشے میں دھت مدہوش کہیں کسی سڑک کے کنارے کسی دکان کے تھڑے یا تخت کے اوپر یا نیچے پڑا رہتا۔

اب اس کی یہ عادت ہو گئی کہ کہیں کوئی اچھے وقتوں کا دوست مل جاتا تو اس سے ایک چونی طلب کرتا۔ اس کی یہ چونی مانگنے کی عادت سب کو معلوم تھی چنانچہ بار بار ایسا ہوا کہ کسی دوست نے اسے سامنے سے آتے دیکھا اور فوراً جیب سے چونّی نکال کر ہاتھ میں لے لی۔ پاس پہنچے اور علیک سلیک کے بعد مصافحہ کرتے وقت چونی ساغر کے ہاتھ میں چھوڑ دی۔ وہ باغ باغ ہو جاتا۔ یوں شام تک جو دس بیس روپے جمع ہو جاتے، وہ اس دن کے چرس اور مارفیا کے کام آتے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ جنوری 1974ء میں اس پر فالج کا حملہ ہوا اس کا علاج بھی چرس اور مارفیا سے کیا گیا۔ فالج سے تو بہت حد تک نجات مل گئی، لیکن اس سے دایاں ہاتھ؟ ہمیشہ کے لیے بے کار ہو گیا۔ پھر کچھ دن بعد منہ سے خون آنے لگا۔ اور یہ آخر تک دوسرے تیسرے جاری رہا۔ ان دنوں خوراک برائے نام تھی۔ جسم سوکھ؟ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا۔ سب کو معلوم تھا کہ اب وہ دن دور نہیں جب وہ کسی سے چونی نہیں مانگے گا۔ چنانچہ 19 جولائی 1974ء صبح کے وقت اس کی لاش سڑک کے کنارے ملی اور دوستوں نے لے جا کر اسے میانی صاحب کے قبرستان میں دفن کر دیا۔

ذہنی دباؤ سے بچاؤ

حکیم حارث نسیم سوہدروی

دورِ حاضر کی مشینی زندگی نے انسان کو بھی مشین کی طرح بنا دیا ہے۔ روزمرہ کی مصروفیات، ٹیکنالوجی کی تیز رفتار ترقی اور معاشرتی توقعات نے انسان کی زندگی کو ایک مستقل دائرے میں بند کر دیا ہے۔ ہر روز کے معمولات، کام کا دباؤ، گھر اور دفتر اور کاروبار کی ذمہ داریاں، اور سماجی دباؤ ایک ایسی کیفیت پیدا کرتے ہیں جسے ہم عام طور پر ذہنی دباؤ کہتے ہیں۔

ذہنی دباؤ صرف ایک جذباتی کیفیت نہیں بلکہ یہ جسمانی اور نفسیاتی صحت پر بھی گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ مطب کے مشاہدات اور تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ آج کے دور میں ذہنی دباؤ صحت کے سب سے بڑے مسائل میں سے ایک ہے۔

ہر شخص کو کبھی نہ کبھی اس کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور اگر یہ طویل عرصے تک برقرار رہے تو معمولات زندگی، کام کی صلاحیت، اور جسمانی صحت متاثر ہو جاتی ہے۔

ذہنی دباؤ کی علامات

ذہنی دباؤ کے شکار افراد میں عام طور پر یہ علامات دیکھی جاتی ہیں:

بار بار فکر میں مبتلا ہونا
نیند کی کمی یا بے خوابی
دل کی دھڑکن کا بے ترتیب ہونا
یادداشت میں کمی
وزن میں تبدیلی
عام معمولات میں دلچسپی ختم ہونا
چڑچڑاپن اور جذباتی عدم استحکام

یہ علامات نہ صرف ذہنی بلکہ جسمانی صحت کے لیے بھی خطرناک ہیں۔ اگر کسی شخص میں یہ علامات دیر تک برقرار رہیں تو وہ اعصابی بیماریوں، معدے کے مسائل، بلڈ پریشر، اور دیگر جسمانی مشکلات کا شکار ہو سکتا ہے۔

ذہنی دباؤ کی بنیادی وجوہات

ذہنی دباؤ کی وجوہات مختلف اشخاص میں مختلف ہو سکتی ہیں اور ہر شخص کے لیے مختلف نوعیت کی ہو سکتی ہیں۔ لیکن مطب اور تحقیق کے مشاہدہ سے معلوم چند اہم وجوہات یہ ہیں:

طویل بیماری یا کسی عزیز کی بیماری:

کسی عزیز کی بیماری یا خود بیمار رہنا ذہنی دباؤ کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ انسان جذباتی طور پر اتنا متاثر ہوتا ہے کہ اس کی نیند، خوراک اور معمولات زندگی متاثر ہوتے ہیں۔

جذباتی دباؤ یا جذبات کا دباؤ:

کچھ لوگ اپنی جذباتی کیفیت دوسروں سے چھپاتے ہیں یا اظہار نہیں کرتے۔ جذبات کو اندر دبانا بھی ذہنی دباؤ پیدا کرتا ہے۔

بے روزگاری اور معاشی مسائل:

روزگار کی کمی اور مالی پریشانیاں انسان کی ذہنی صحت پر برا اثر ڈالتی ہیں۔ مستقل فکر اور انشورنس کی کمی ذہنی دباؤ کو بڑھاتی ہے۔

ازدواجی یا خاندانی مسائل:

گھریلو جھگڑے، ازدواجی عدم مطابقت، یا خاندان میں اختلافات بھی ذہنی دباؤ کی اہم وجوہات ہیں۔

ناخوشگوار ماحول اور سماجی دباؤ:

دفتر یا گھر میں منفی ماحول، بدسلوکی، اور سماجی دباؤ انسان کی زندگی میں تناؤ پیدا کرتے ہیں۔

قدرتی آفات اور غیر متوقع حالات:

زلزلہ، بارش یا دیگر قدرتی آفات کے ساتھ ساتھ اچانک حادثات بھی ذہنی دباؤ کو بڑھاتے ہیں۔

ذہنی دباؤ سے بچاؤ کے عملی طریقے

ذہنی دباؤ سے بچاؤ کے لیے کئی عملی اقدامات کیے جا سکتے ہیں۔ یہ اقدامات نہ صرف ذہنی سکون فراہم کرتے ہیں بلکہ جسمانی صحت پر بھی مثبت اثرات مرتب کرتے ہیں۔

مثبت سوچ اپنائیں

منفی سوچ ذہنی دباؤ کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ ایک مطالعے کے مطابق جو لوگ مسائل کو مثبت انداز میں دیکھتے ہیں، وہ ذہنی دباؤ کم محسوس کرتے ہیں۔ مثبت سوچ اپنانے کے لیے:

اپنی کامیابیوں کو یاد کریں
چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا اعتراف کریں
کسی مثبت سوچ رکھنے والے فرد سے مشورہ کریں
خوش رہنے کی کوشش کریں

غم اور غصہ ذہنی دباؤ کو بڑھاتے ہیں۔ خوشی کے لمحات پیدا کرنا اور خوش مزاج لوگوں کی صحبت اختیار کرنا مددگار ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً:

ISSN # : 3080-9746

دوستوں یا خاندان کے ساتھ ہنسنا اور باتیں کرنا
روزانہ کم از کم 15 منٹ ایسی سرگرمی کرنا جو خوشی دے
تفریح اور ماحول میں تبدیلی
زندگی میں مسلسل یکسانیت دماغ کو بیزار کرتی ہے۔
اس کے لیے:
سال میں ایک یا دو مرتبہ کسی خوشگوار مقام پر سیر کریں
اپنے کمرے یا کام کی جگہ میں چھوٹی تبدیلیاں کریں
میز اور کمرے کی ترتیب وقتاً فوقتاً بدلیں
مشاغل اختیار کریں
مشاغل ذہنی دباؤ کم کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ مثلاً:
باغبانی یا پودے لگانا
کوئی کھیل کھیلنا یا جسمانی سرگرمی
سماجی یا فلاحی کاموں میں حصہ لینا
خود کے لیے وقت نکالیں

مصروف زندگی میں اپنی صحت اور سکون کے لیے وقت نکالنا ضروری ہے۔ روزانہ چند لمحے اپنی مرضی کے مطابق گزارنا، کتاب پڑھنا یا موسیقی سننا مفید ہے۔
پرسکون نیند
نیند کی کمی اور بے آرامی ذہنی دباؤ کو بڑھاتی ہیں۔
روزانہ 6 سے 8 گھنٹے کی پرسکون نیند لازمی ہے۔
ورزش اور جسمانی سرگرمی
روزانہ ہلکی پھلکی ورزش یا سیر دماغی سکون اور جسمانی صحت دونوں کے لیے فائدہ مند ہے۔

نیم گرم پانی سے نہانا
موسم کے مطابق نیم گرم پانی سے نہانا جسم کو تازگی اور ہلکا پھلکا محسوس کرواتا ہے، جس سے ذہنی دباؤ میں کمی آتی ہے۔
مساج کرنا
مساج جسمانی تھکاوٹ دور کرتا ہے اور طبیعت میں سکون لاتا ہے۔ یہ اعصاب کو آرام دینے اور دباؤ کم کرنے کا مؤثر طریقہ ہے۔
نماز پنجگانہ اور روحانی سرگرمیاں
نماز سے انسان کے سوچ وفکر میں یکسوئی آتی ہے اور روحانی سکون حاصل ہوتا ہے۔ جو لوگ باقاعدگی سے نماز ادا کرتے ہیں، وہ ذہنی دباؤ سے محفوظ رہتے ہیں۔
تلاوت قرآن حکیم
روزانہ قرآن پاک کی تلاوت ذہنی دباؤ کم کرتی ہے اور جسمانی صحت پر بھی مثبت اثرات مرتب کرتی ہے۔ قرآن پاک کا مطالعہ انسان کے جذبات کو مستحکم کرتا ہے اور سکون عطا کرتا ہے۔
روزمرہ زندگی میں ذہنی دباؤ کم کرنے کے لئے مفید مشورے
تنفس اور مراقبہ
گہرے سانس لینا اور مراقبہ کرنے سے دماغی سکون ملتا ہے اور اعصابی نظام مضبوط ہوتا ہے۔
خوراک اور پانی

صحت مند غذا اور پانی کی مناسب مقدار ذہنی دباؤ کم کرنے میں مددگار ہیں۔ میٹھے اور زیادہ مصالحے دار کھانوں سے پرہیز کریں۔
ٹیکنالوجی سے وقفہ
موبائل، کمپیوٹر یا ٹی وی کے استعمال سے وقفہ لیں۔
زیادہ سکرین ٹائم دماغی دباؤ بڑھاتا ہے۔
دوستوں اور خاندان کی مدد
اپنے مسائل دوسروں کے ساتھ بانٹنا، مشورہ لینا اور جذبات کا اظہار کرنا ذہنی دباؤ کم کرتا ہے۔
خود اعتمادی بڑھائیں:
اپنے کام اور فیصلوں پر اعتماد پیدا کریں۔ کامیابیاں چاہے چھوٹی ہوں، انہیں تسلیم کریں اور خود کو سراہیں
ذہنی دباؤ ایک عام مگر خطرناک مسئلہ ہے۔ اس کا بروقت سدباب ضروری ہے تاکہ زندگی کے معمولات متاثر نہ ہوں اور جسمانی و ذہنی صحت برقرار رہے۔ مثبت سوچ، خوش رہنا، تفریح، مشاغل، ورزش، پرسکون نیند، روحانی سرگرمیاں اور قرآن کی تلاوت ذہنی دباؤ کم کرنے میں مؤثر ثابت ہوتی ہیں۔
اگر انسان اپنے روزمرہ معمولات میں یہ اقدامات شامل کر لے، تو نہ صرف ذہنی دباؤ کم ہوتا ہے بلکہ زندگی خوشگوار اور باسکون بھی بنتی ہے۔
ہمدرد کی سوبینا
اور افتیمونی کا حسب طریقہ استعمال مفید و معاون ہے

ISSN # : 3080-9746

منشیات کی روک تھام کے عملی اقدامات

ڈاکٹر مفتی احمد رضا

معاشرہ اس وقت مختلف سماجی، اخلاقی اور نفسیاتی مسائل کا شکار ہے، لیکن ان میں منشیات کا بڑھتا ہوا رجحان سب سے زیادہ تشویشناک مسئلہ بن چکا ہے۔ چند سال پہلے تک منشیات کو صرف جرائم پیشہ افراد یا مخصوص طبقے کا مسئلہ سمجھا جاتا تھا، مگر آج یہ تعلیمی اداروں، یونیورسٹیوں، پوش علاقوں، متوسط طبقے اور یہاں تک کہ کم عمر نوجوانوں تک پہنچ چکی ہے۔ یہ صرف ایک فرد کی خرابی نہیں بلکہ پورے خاندان، معاشرے اور ریاست کے لیے خطرہ بنتی جا رہی ہے۔

پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے جہاں نوجوان آبادی کا تناسب بہت زیادہ ہے۔ اگر یہی نوجوان نسل منشیات کی طرف مائل ہو جائے تو ملک کا مستقبل خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت، تعلیمی اداروں، والدین، علما، میڈیا اور سماجی تنظیموں کو مل کر اس مسئلے کے حل کے لیے سنجیدہ اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

اسلام نے انسانی جان، عقل اور اخلاق کے تحفظ کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ میں ہر اس چیز سے منع کیا گیا ہے جو انسان کی عقل، کردار اور معاشرتی زندگی کو تباہ کرے۔ منشیات چونکہ عقل کو مفلوج کرتی ہیں، اس لیے اسلام ان کی سختی سے مذمت کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔''

اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ نے ہر نشہ آور چیز کو حرام قرار دیا۔ اس تعلیم کا مقصد صرف مذہبی حکم دینا نہیں بلکہ انسان اور معاشرے کو تباہی سے بچانا ہے۔ آج منشیات کا مسئلہ صرف گلی محلوں تک محدود نہیں رہا بلکہ بڑے شہروں کی یونیورسٹیوں، کالجوں اور نجی محفلوں میں بھی اس کا استعمال بڑھ رہا ہے۔ بعض نوجوان اسے فیشن، ذہنی دباؤ سے نجات یا جدید طرزِ زندگی کی علامت سمجھتے ہیں، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ابتدا میں یہ وقتی سکون یا تفریح محسوس ہوتی ہے، لیکن بعد میں یہی چیز انسان کی صحت، تعلیم، معیشت اور عزت سب کچھ تباہ کر دیتی ہے۔

یونیورسٹیوں میں منشیات کے بڑھتے ہوئے رجحان کی کئی وجوہات ہیں۔ بعض طلبہ گھریلو مسائل، تعلیمی دباؤ، بے روزگاری کے خوف یا بری صحبت کی وجہ سے اس طرف جاتے ہیں۔ سوشل میڈیا اور فلموں میں بعض اوقات نشہ آور اشیا کو ایک پرکشش انداز میں دکھایا جاتا ہے، جس سے نوجوان متاثر ہوتے ہیں۔ اسی طرح دوستوں کا دباؤ بھی ایک اہم سبب بنتا ہے۔ منشیات کے نقصانات صرف ایک فرد تک محدود نہیں رہتے۔ ایک نشے کا عادی شخص پورے خاندان کے لیے اذیت بن جاتا ہے۔ گھر کا سکون ختم ہو جاتا ہے، معاشی مشکلات بڑھ جاتی ہیں اور معاشرتی بدنامی الگ ہوتی ہے۔ ایسے افراد اکثر جرائم، تشدد اور غیر اخلاقی سرگرمیوں میں بھی ملوث ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں منشیات کو معاشرتی تباہی کی بڑی وجہ قرار دیا جاتا ہے۔

پاکستان میں حکومت اس مسئلے کے تدارک کے لیے مختلف اقدامات کر رہی ہے۔ Anti Narcotics Force منشیات کی اسمگلنگ اور فروخت کے خلاف کارروائیاں کر رہی ہے۔ ملک کے مختلف شہروں میں آگاہی مہمات چلائی جا رہی ہیں، جبکہ تعلیمی اداروں میں سیمینارز کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے۔ بعض جامعات نے منشیات کے خلاف خصوصی پالیسی بھی متعارف کروائی ہے تاکہ کیمپس کو محفوظ بنایا جا سکے۔

حکومتی اقدامات اپنی جگہ اہم ہیں، لیکن صرف قانون سازی سے یہ مسئلہ مکمل طور پر حل نہیں ہو سکتا۔ جب تک معاشرہ اجتماعی طور پر اس خطرے کو محسوس نہیں کرے گا، اس وقت تک مثبت نتائج سامنے نہیں آئیں گے۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کی سرگرمیوں، دوستوں اور ذہنی کیفیت پر توجہ دیں۔ صرف مالی ضروریات پوری کر دینا کافی نہیں بلکہ بچوں کو وقت دینا اور ان کے مسائل سننا بھی ضروری ہے۔ تعلیمی اداروں کا کردار بھی انتہائی اہم ہے۔ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں صرف نصابی تعلیم کافی نہیں بلکہ کردار سازی، اخلاقی تربیت اور ذہنی رہنمائی بھی ضروری ہے۔ اگر نوجوانوں کو مثبت سرگرمیوں، کھیلوں، مطالعے اور دینی و اخلاقی ماحول کی طرف راغب کیا جائے تو وہ منفی سرگرمیوں سے دور رہ سکتے ہیں۔ علما اور مذہبی رہنماؤں کی ذمہ داری بھی بہت اہم ہے۔ خطباتِ جمعہ، دروس اور مذہبی اجتماعات میں منشیات کے نقصانات کو واضح انداز میں بیان کیا جانا چاہیے۔ نوجوانوں کو یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ اسلام انسان کو پاکیزہ، متوازن اور باوقار زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے۔ نشہ نہ صرف ایک گناہ ہے بلکہ یہ انسان کی شخصیت اور خاندان کو بھی تباہ کرتا ہے۔ میڈیا بھی اس سلسلے میں مؤثر کردار ادا کر سکتا ہے۔ ٹی وی ڈراموں، فلموں اور سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر ایسی چیزوں کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے جو نوجوانوں کو منشیات کی طرف مائل کریں۔ اس کے برعکس ایسے پروگرام نشر کیے جائیں جو نوجوانوں میں امید، مقصد اور مثبت سوچ پیدا کریں۔

اس مسئلے کے حل کے لیے ایک جامع قومی پالیسی کی ضرورت ہے۔ اس پالیسی میں قانون نافذ کرنے والے اداروں، تعلیمی اداروں، والدین، علما، میڈیا اور ماہرینِ نفسیات سب کو شامل کیا جانا چاہیے۔ صرف چھاپے مارنے یا گرفتاریاں کرنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا بلکہ بحالی اور اصلاح کے مراکز کو بھی مؤثر بنانا ہوگا۔ ایسے نوجوان جو نشے کا شکار ہو چکے ہیں، انہیں مجرم کے بجائے مریض سمجھ کر علاج اور رہنمائی فراہم کرنا ضروری ہے۔

پاکستان میں بے روزگاری، معاشی دباؤ اور ذہنی پریشانیوں میں اضافہ بھی نوجوانوں کو مایوسی کی طرف لے جا رہا ہے۔ جب نوجوان اپنے مستقبل سے ناامید ہوتے ہیں تو بعض اوقات وہ غلط راستوں کا انتخاب کر لیتے ہیں۔ اس لیے حکومت کو نوجوانوں کے لیے روزگار، کھیلوں کے میدان، مثبت سرگرمیوں اور فنی تعلیم کے مواقع بڑھانے چاہییں تاکہ ان کی توانائیاں درست سمت میں استعمال ہو سکیں۔ منشیات کی روک تھام کے لیے صرف حکومتی ادارے نہیں بلکہ ہر فرد کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ اگر ایک استاد اپنے شاگرد کی اصلاح کی کوشش کرے، ایک والد اپنے بچے کو وقت دے، ایک عالم نوجوانوں کی رہنمائی کرے اور میڈیا مثبت سوچ کو فروغ دے تو معاشرہ اس لعنت سے بڑی حد تک محفوظ ہو سکتا ہے۔ اسلام امید، اصلاح اور توبہ کا دین ہے۔ اگر کوئی شخص غلط راستے پر چلا جائے تو اس کے لیے واپسی کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ اسی سوچ کو معاشرے میں عام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ نوجوان مایوسی کے بجائے بہتری کی طرف آئیں۔

آج وقت کا اہم تقاضا یہ ہے کہ ہم منشیات کو صرف ایک فرد کا مسئلہ نہ سمجھیں بلکہ اسے قومی اور اجتماعی چیلنج کے طور پر دیکھیں۔ اگر نوجوان نسل محفوظ ہوگی تو ملک کا مستقبل محفوظ ہوگا۔ پاکستان کی ترقی، استحکام اور خوش حالی کا دارومدار بھی ایک صحت مند اور باکردار نوجوان نسل پر ہے۔ آخر میں یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ منشیات کے خلاف جنگ صرف قانون کی جنگ نہیں بلکہ شعور، تربیت اور کردار کی جنگ ہے۔ ہمیں اپنے گھروں، تعلیمی اداروں اور معاشرے میں ایسا ماحول پیدا کرنا ہوگا جہاں نوجوان خود کو محفوظ، بااعتماد اور بامقصد محسوس کریں۔ (جاری ہے)

محمد ذوالقرنین حیدر

دادا کا کھلونا

دادا جان یوں اچانک چلے جائیں گے، عبداللہ نے ایسا کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ دس دن پہلے کی تو بات ہے، دادا جان اس کے ساتھ دکان پر گئے تھے۔ جب وہ شاہ عالمی میں کھلونوں کی تھوک کی دکان میں پہنچے تو آس پاس کے دکاندار انھیں ملنے آ گئے تھے۔ سب انھیں دکان میں دیکھ کر بہت خوش تھے۔ کھلونوں کی دکان کیا تھی، اس میں پوری دنیا سے درآمد کیے کھلونے موجود تھے۔

یہ دکان سو سال قبل دادا جان کے والد نے شروع کی تھی۔ تب دکان میں مقامی طور پر تیار کیے گئے کھلونے دستیاب ہوتے تھے۔ دادا جان نے گورنمنٹ کالج سے بی اے کیا تھا۔ اس کے بعد وہ مکمل طور پر کاروبار میں اپنے والد کا ساتھ دینے لگے تھے۔ ان دنوں جاپانی کھلونے بہت پسند کیے جاتے تھے۔ شاہ عالمی کے چند دکاندار ہی جاپان سے کھلونے منگواتے تھے۔۔۔۔۔ وقت گزرتا رہا۔۔۔۔۔

اب ان کے بیٹے ارشد نے ان کا کاروبار سنبھال لیا تھا۔ عبداللہ ان ہی کا بیٹا تھا۔ عبداللہ جب چار سال کا ہوا تو وہ اپنے ساتھ دکان پر لے کر جانے لگے۔ کھلونوں کے درمیان گول مٹول عبداللہ ایک پیارا سا گڈا ہی نظر آتا تھا۔ دادا جان کی جان تو ان کے پوتے عبداللہ میں تھی۔ وہ اسے اپنا کھلونا کہتے تھے۔

”عبداللہ آپ کا کھلونا ہے تو، یہ میرا بھی کھلونا ہے، ایسا نہ ہو یہ زیادہ لاڈ پیار سے بگڑ جائے۔۔۔“ ارشد نے خدشہ ظاہر کیا۔

”ایسا ہرگز نہیں ہوگا، عبداللہ بہت اچھا بچہ ہے، ابھی دس سال کا ہے، مگر باتیں سمجھ داری کی کرتا ہے، کھلونوں کے کام میں ابھی سے دلچسپی لینے لگا ہے۔“ عبداللہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دادا جان کا آخری جملہ سن لیا تھا۔۔۔ ”کھلونوں میں رہوں گا تو کھلونوں میں دلچسپی لوں گا، یہ میرے خاندان کا کاروبار ہے، میں اسے مزید ترقی دوں گا۔

“عبداللہ اس وقت اپنی عمر سے بڑی بڑی باتیں کرنے لگا تھا۔ دادا جان نے اس کی پیشانی چوم لی۔ اس کی بلائیں لیں۔ عبداللہ نے انٹرمیڈیٹ کے بعد دکان پر آنا شروع کر دیا۔ اس کے والد خریداری کے لئے اکثر بیرونِ ملک جاتے تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں عبداللہ، دادا جان کے ساتھ کاروبار میں ان کا ہاتھ بٹاتا تھا۔

ایک دن عبداللہ دکان پر موجود تھا۔۔۔۔۔ دادا جان کسی کام سے دکان سے باہر تھے۔ دکان کا ایک ملازم جمیل گودام سے کھلونے لینے گیا تو راستے میں ٹھوکر لگنے سے گر پڑا، جس سے کچھ کھلونے ٹوٹ گئے۔ جمیل جب ٹوٹے کھلونے لے کر دکان میں آیا تو عبداللہ ان کھلونوں کو دیکھ کر آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے جمیل کو کھری کھری سنائیں۔ ٹھوکر لگنے سے جمیل کے پاؤں کا انگوٹھا زخمی ہو گیا تھا اور اس میں سے خون رس رہا تھا۔ شدید تکلیف کے باوجود وہ عبداللہ کی تلخ باتیں سن کر خاموش ہی رہا۔ کچھ دیر بعد دادا جان آئے تو جمیل انھیں دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔۔۔ ”جمیل میاں! کیا ہوا ہے؟“ دادا جان بولے۔۔۔۔۔ اس کے جواب میں جمیل نے ساری بات انھیں بتا دی۔ دادا جان نے عبداللہ کو گھورا۔ عبداللہ نے پہلی بار دادا جان کے چہرے پر اپنے لئے اتنی سختی دیکھی تھی۔۔۔ ”عبداللہ! کھلونے ٹوٹ گئے تو اس میں جمیل کی کوئی غلطی نہیں، ٹھوکر لگی اور یہ گر پڑے۔ تم نے صرف کھلونوں پر نظر رکھی، ان کے زخمی انگوٹھے پر بھی نگاہ ڈالی ہوتی، دیکھو جمیل میاں کس قدر تکلیف میں ہیں، میں انھیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جا رہا ہوں۔“ دادا جان بولتے چلے گئے۔۔۔۔۔ عبداللہ نے اپنی غلطی تسلیم کی تو دادا جان نے محبت بھرے انداز میں کہا: ”دکان میں کام کرنے والے سارے ملازمین ہمارے دست و بازو ہیں، ہم ان کے بغیر کچھ بھی نہیں ہیں، ان کا خیال رکھنا ہمارا فرض ہے۔۔۔۔۔ اس کے بعد عبداللہ نے کسی ملازم کو نہیں ڈانٹا۔ وہ ہر ملازم سے دوستانہ انداز میں بات کرتا۔

عبداللہ کو کیا خبر تھی کہ دادا جان یوں اچانک اسے روتا چھوڑ جائیں گے۔ ایک ہفتہ قبل انھیں سینے میں درد محسوس ہوا تھا۔ انھیں فوراً دل والے ہسپتال لے جایا گیا۔ ابتدائی طبی امداد دینے کے بعد دوبارہ دل کا دورہ پڑا، جو جان لیوا ثابت ہوا۔

کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔ گھر والوں کے ساتھ ساتھ کالونی اور بازار کے سبھی لوگ غمزدہ تھے۔ عبداللہ کی آنکھوں سے آنسو خشک نہیں ہو رہے تھے۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ دادا جان اب اس دنیا میں نہیں رہے۔

عبداللہ دادا جان کی وفات کے بعد پہلی بار باغ میں گیا تو ایک بھکاری، جو اکثر دادا جان کے پاس آتا ہے، وہ عبداللہ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔۔۔۔۔ عبداللہ نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور بھکاری کی مدد کی۔ دادا جان کالونی کے بچوں میں کھلونے تقسیم کرتے تھے، وہ بچوں کو خوش دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ ایسی ہی خوشی عبداللہ کو اس وقت ملی تھی، جب اس نے کالونی کے بچوں میں کھلونے تقسیم کیے تھے۔ سب بچے بہت خوش تھے۔ دادا جان جب دکان پر بیٹھے ہوتے تھے تو اگر کوئی بچہ دکان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کھلونوں کو دیکھنے لگا تو دادا جان اسے دکان میں بلا لیتے تھے۔

”جی بچے! کون سا کھلونا پسند ہے؟“ دادا جان کی بات سن کر کچھ بچے گھبرا سے جاتے اور کچھ جھٹ اپنے پسندیدہ کھلونے کے بارے میں بتا دیتے۔ تھوڑی سی دیر میں وہ کھلونا اس بچے کے ہاتھ میں ہوتا۔ عبداللہ یہ منظر کئی بار دیکھ چکا تھا۔ دادا جان کے رخصت ہونے کے بعد وہ اب خود اس منظر کا حصہ بن گیا تھا۔ ہر وہ اچھا کام جو دادا جان کرتے تھے وہ بھی دہراتا۔

جب وہ ان کے کیے اچھے کاموں کو کرتا تو اسے ایسے محسوس ہوتا کہ اس کے دادا جان، پیارے دادا جان، اس کے آس پاس ہیں، وہ کہیں گئے نہیں، وہ فوراً اس کے سامنے آ کر کہیں گے: ”شاباش میرے بیٹے! شاباش، کسی کو خوشی دینا ہی تو زندگی کا حاصل ہے۔“ دادا جان یوں تو ظاہری طور پر دنیا سے چلے گئے ہیں، مگر وہ اچھے کاموں کی صورت میں زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

ISSN # : 3080-9746

میرپور ٹیسٹ: سٹے بازی کے ناقابل تردید ثبوت

پانچویں روز چائے کے وقفہ کے بعد بازی کیسے پلٹ گئی؟

کرکٹ بورڈ شان مسعود کو کپتان برقرار رکھنے پر بضد کیوں؟

رپورٹ: محمد عمر

میرپور میں پاکستان کی بنگلہ دیش کے خلاف شکست پر کوئی حیرانی نہیں، پہلے دن سے ہی، خصوصی طور پر ٹاس کے بعد سے ایسے فیصلے کئے گئے جن کا مقصد پاکستانی ٹیم کو ہر صورت شکست سے دوچار کرنا تھا۔ کرکٹ بورڈ کے سربراہ محسن نقوی یا کپتان شان مسعود کا بڑے سپیڑا حامی بھی درج ذیل شواہد کو نہیں جھٹلا سکتا:

1: ٹاس جیت کر پاکستانی کپتان شان مسعود نے بنگلہ دیشی ٹیم کو بیٹنگ کیوں دی،

؟اس فیصلے کیلئے بلینڈر کی اصطلاح بھی بہت ہلکی محسوس ہوتی ہے کیونکہ پچھلے دس سال میں یہ دوسرا موقعہ تھا کہ میرپور میں کسی کپتان نے ٹاس جیت کر فیلڈنگ کا فیصلہ کیا ہو۔ ایک ایسی وکٹ جو دن بدن ٹوٹ رہی تھی، پہلے دن کے کھیل میں صرف 4 وکٹ گرے جبکہ آخری دن 17 وکٹ گر گئے اور 21 اوورز کا کھیل ابھی باقی تھا۔ سب کو پتہ تھا اتنے گرم موسم میں چوتھی اننگز کھیلنا بہت مشکل ہو جائے گا، کپتان نے چوتھی اننگز کھیلنے کا انتخاب کیوں کیا؟ کرکٹ کی اصطلاح میں اس کو خودکشی ہی کہا جا؟ سکتا ہے۔

_2 کپتان اور کوچ کو علم تھا کہ وکٹ آخری دو دن میں بہت خشک ہو جائے گی،

لیکن ٹیم میں صرف ایک اسپنر کو شامل کیا گیا اور ساجد خان جنہوں نے بنگلہ دیش کے خلاف گذشتہ سیریز میں 19 وکٹ حاصل کر کے مین آف دی سیریز کا اعزاز حاصل کیا تھا، ان کو باہر بٹھا دیا گیا

3: بابر اعظم کو انتہائی پراسرار انداز سے باہر بٹھا دیا گیا، پہلے کہا گیا کہ وہ ان فٹ ہیں پھر کہا گیا کہ کرکٹ بورڈ نئے کھلاڑیوں کو آزمانا چاہتا تھا اس لئے بابر کو ریسٹ دیا گیا۔ باہر اعظم جنہوں نے حالیہ پی ایس ایل میں سب سے زیادہ 588 رنز بنائے تھے، وہ پی ایس ایل فائنل میچ کے باعث دیر سے بنگلہ دیش پہنچے تھے اگر وہ ان فٹ تھے تو پی ایس ایل میں سب سے زیادہ رنز کیسے بنا گئے پھر ایک ان فٹ کھلاڑی کو لے کر ہی کیوں گئے؟ اگر نئے کھلاڑیوں کو آزمانا مقصد تھا تو نئے کھلاڑی کھلانے کیلئے بابر اعظم کو ہی ہر دفعہ قربان کیوں کیا جاتا ہے سعود شکیل سلمان علی آغا کو آرام دے کر نئے کھلاڑی کیوں نہیں آزمائے جاتے؟

3؛ پہلی اننگز میں پاکستان کی آخری 5 وکٹ صرف 32 رنز کے اضافے سے گر گئیں، محمد رضوان نے ایک شارٹ کھیلا فیلڈر سے کیچ چھوٹ گیا، بلے باز کو چانس مل جائے تو پھر وہ سنبھل کر کھیلتا ہے مگر اگلی ہی گیند پر رضوان نے وہی شارٹ دوبارہ کھیلا اور کیچ پکڑا دیا جو اس بات کا ثبوت تھا کہ اس اسکور پر آوٹ ہونے کی بات ہو چکی ہے اور ان کو اب ہر حال میں آوٹ ہونا ہے۔

4 بنگلہ دیش کے کپتان شانتو کو دوسری اننگز میں ایک ہی

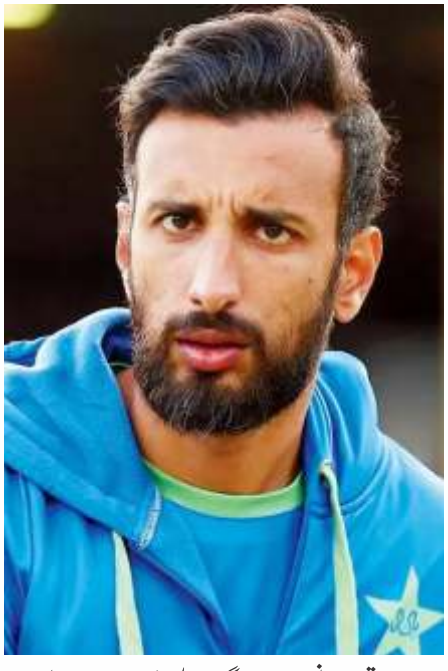

اوور میں تین چانس دیئے گئے پہلے رضوان نے اسٹمپ کا موقعہ ضائع کیا، پھر شان مسعود نے سلپ میں کیچ چھوڑا اس کے بعد رن آوٹ کا موقعہ بھی ضائع کر دیا۔ پاکستانی ٹیم کی طرف سے شانتو کو پیغام دیا گیا کہ آپ کچھ بھی کر لیں ہم آپ کو آوٹ نہیں کریں گے۔

5: بنگلہ دیش کی دوسری اننگز میں جب وکٹ بہت سست ہو چکی تھی، 36 اوورز تک ٹیم کے ریگولر اسپنر نعمان علی سے باولنگ ہی نہیں کرائی گئی جبکہ نان ریگولر اسپنر سلمان علی آغا سے مسلسل باولنگ کرائی گئی جو کوئی وکٹ حاصل نہ کر سکے۔

6: میچ کے آخری روز لنچ اور چائے کے وقفہ کے دوران پاکستانی ٹیم نے 114 رنز بنائے اور اس کے دو وکٹ گرے، آخری سیشن میں 36 اوورز ہونا تھے اور پاکستان کے 7 وکٹ ابھی باقی تھے، گمان یہی تھا کہ پاکستان کم از کم ڈرا تو کر ہی لے گا لیکن وہ سات وکٹ 14 اوورز میں صرف 43 رنز کے اضافے سے گر گئے، کیوں؟

اس کیوں کا جواب پوری قوم مانگ رہی ہے۔

سوال یہ ہے؟

پاکستان بنگلہ دیش میچ میں بنگلہ دیشی ٹیم کے حق میں ہی شرطیں کیوں لگائی گئیں۔

جواب یہ ہے کہ کمزور ٹیم جس کے جیتنے کے امکانات کم سے کم ہوں، اس ٹیم کو جتوانے کیلئے مضبوط ٹیم یا اس کے اہم کھلاڑیوں کو خرید لیا جاتا ہے۔ کرکٹ میں اپنی مرضی سے ہارا تو جا سکتا ہے جیتا نہیں جا سکتا، بنگلہ دیشی ٹیم کی جیت کے امکانات کم تھے اس لئے اس کو جتوانے کیلئے شرطیں لگائی گئیں۔

اہم سوال، چائے کے وقفہ تک پاکستان کے 3 کھلاڑی آوٹ تھے اور۔۔۔۔۔

اور کا جواب یہ ہے کہ جب پاکستانی ٹیم کے ہارنے کے امکانات کم از کم تھے تو اس کی ہار کیلئے 1 یک دس سے لے کر ایک بیس تک کی شرطیں لگائی گئیں۔ سوچیں کہ کسی بکی نے ایک کے مقابلہ میں 20 ارب ڈالرز کی شرط لگائی ہو وہ پاکستانی ٹیم کے ہار کی صورت میں بیس ارب ڈالرز جیت سکتا ہے تو وہ 10 ارب ڈالرز میں ٹیم کو کیوں نہیں خرید سکتا؟

جب ہار کی صورت میں کھلاڑی کو ایک ارب مل رہے ہوں تو وہ ایسی ہار پر بڑی سے بڑی جیت بھی قربان کر دے گا اور میچ کے دوران یہ ریٹ اوپر نیچے ہوتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلے کئی سالوں سے پاکستانی ٹیم سخت محنت کر کے پہلے جیتنے کی پوزیشن میں آ جاتی ہے جب ہر کوئی سمجھ رہا ہوتا ہے کہ پاکستانی ٹیم جیت جائے گی تو اچانک پاکستانی کھلاڑی آوٹ ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور ٹیم ہار جاتی ہے۔

یہ سب میرپور ٹیسٹ کے آخری روز ہوا چائے کے وقفہ پر پاکستانی ٹیم کے صرف 3 آوٹ تھے کرکٹ مبصرین کے مطابق پاکستانی ٹیم کے ہارنے کا کوئی امکان نہیں تھا

مگر ٹیم ہار گئی، اس میں سوال کا جواب موجود ہے۔

ایک سوال کا جواب آپ خود تلاش کر لیں

پاکستان کرکٹ بورڈ شان مسعود کو ہی بار بار موقعہ کیوں دے رہا ہے۔

وہ 2023 سے پاکستانی ٹیسٹ ٹیم کے کپتان ہیں، حالانکہ

_1 ان کی قیادت میں پاکستانی ٹیم نے بیرون ملک 6 ٹیسٹ کھیلے اور تمام میچوں میں شکست کھائی۔

_3 ان کی زیر قیادت پاکستانی ٹیم نے بنگلہ دیش کے ساتھ 3 ٹیسٹ کھیلے اور تینوں ہارے جبکہ اس سے پہلے پاکستانی ٹیم بنگلہ دیش سے کبھی نہیں ہاری تھی۔

لیکن پھر بھی وہ کرکٹ بورڈ کی پہلی چوائس کیوں؟

خود سوچیں

تحریر کنندہ کی رائے سے اتفاق کرنا ضروری نہیں شکریہ

ڈرامہ سیریل ،،بس تیرا ساتھ ہو،، مقبولیت میں سب کو پیچھے چھوڑ گیا

کہانی نئی نہیں ہدایت کار کا پیش کرنے کا انداز سب کو بھا گیا

رپورٹ: محمد عمر

اے آر وائی ٹی وی چینل پر ان دنوں پیش کیا جانے والا ڈرامہ سیریل ،، بس تیرا ساتھ ہو،، مقبولیت میں سب سے آگے جا رہا ہے تادم تحریر اس کی 8 اقساط پیش کی جا چکی ہیں، ناظرین کو اس کی ہر قسط کا بے چینی سے انتظار رہتا ہے، کہانی نئی نہیں، اس موضوع پر پاکستان میں کئی فلمیں اور ڈرامے پیش کئے جا چکے ہیں۔جن میں ہیرو یا ہیروئین بچپن میں یتیم ہو جاتے ہیں جن پر ان کے سوتیلے والدین یا رشتہ دار مظالم کرتے ہیں، پھر ان کی زندگی میں ہیرو یا ہیروئین آتے ہیں جو ان کا کھویا ہوا اعتماد بحال کرتے ہیں اور پھر وہ ان مظالم کا بدلہ لیتے ہیں، 1973 میں ریلیز ہونے والی فلم ،، انمول ،، کا یہی موضوع تھا، شاہد کی والدہ تمنا اور سوتیلا بھائی منور سعید اس پر اتنا ظلم کرتے ہیں کہ وہ انتہائی بزدل اور ڈرپوک بن جاتا ہے، اس کی شادی گاؤں کی سب سے تیز طرار لڑکی بانو (شبنم) سے ہو جاتی ہے جو اس میں بڑی مشکل سے ہمت اور حوصلہ پیدا کرتی ہے اور آخر کار وہ خود پر ظلم کرنے والے سوتیلے بھائی کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ 1984 میں ریلیز ہونے والی فلم ،، بوبی ،، کا بھی موضوع یہی تھا جس میں بچپن سے ظلم سہنے والی بوبی (سبیتا) بعد ازاں ہیرو جاوید شیخ اور منہ بولے بھائی محمد علی کی کوششوں سے دلیر ہو جاتی ہے۔فلم کی نسبت ڈرامہ سیریل میں ہدایت کار کو زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے کیونکہ فلم میں اڑھائی گھنٹے میں کہانی کو سمیٹنا ہوتا ہے جبکہ ڈرامہ سیریل میں اسی کہانی کو تیس پینتیس اقساط میں پھیلا دیا جاتا ہے اور ہر قسط میں ٹمپو برقرار رکھنا بھی ہدایت کار اور مصنف کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ڈرامہ سیریل ،، بس تیرا ساتھ ہو،، میں شاہد والا کردار فرحان سعید بڑی خوبصورتی سے ادا کر رہے ہیں جو بچپن مین ہی یتیم ہو جاتے ہیں اور اپنی سوتیلی تائی (صبا پرویز) تایا مرسلین () ان کے بیٹے شایان () اور بیٹی شیریں () کے ظلم سہتے سہتے ہی جواں ہوا ہے، اور اب یونیورسٹی میں پڑھ رہا ہے جہاں اس کی کلاس فیلو آنسہ جمیل (ثنا جاوید) اس کی ہمدرد ہے، شایان والدین کے بے جا لاڈ پیار کے باعث بہت بگڑ چکا ہے اور اپنی ہر غلطی انس (فرحان سعید) پر ڈال دیتا ہے۔کہانی کا اہم موڑ اس وقت آتا ہے جب شایان ایکسیڈنٹ کر کے اور ایک نوجوان کو زخمی کر کے بھاگ جاتا ہے، پولیس کی گرفتاری سے بچنے کیلئے اس کا باپ رپورٹ درج کراتا ہے کہ وہ گاڑی تو اس کا بھتیجا انس چلا رہا تھا اور اس کو یونیورسٹی سے گرفتار کرا دیتا ہے۔ اس کے کلاس فیلوز سراپا احتجاج بن جاتے ہیں کہ حادثہ کے وقت تو انس ان کے ساتھ یونیورسٹی میں تھا، احتجاج کرنے والوں میں آنسہ پیش پیش ہوتی ہے، سی ٹی وی فوٹیج سے بھی پتہ چلتا ہے کہ گاڑی تو شایان چلا رہا تھا انس کو رہا اور شایان کو گرفتار کر لیا جاتا ہے تاہم اس کی بہن زخمی کے بھائی کو قائل کر کے اس کو چھڑوا لیتی ہے، انس کا دادا جو خود بستر علالت پر ہے اس پر ہونے والے مظالم پر احتجاج کرتا رہتا ہے، انس کی پھوپھو عنبرین امریکہ میں مقیم ہے وہ اس کی پڑھائی کے تمام اخراجات برداشت کرتی ہے، اس کو انس کی گرفتاری کی خبر ملتی ہے تو فوری طور پر پاکستان پہنچ جاتی ہے، دوسری طرف آنسہ کی کہانی بھی مختلف نہیں اس کا والد فوت ہوتے وقت اپنی دوکان آنسہ اور اس کے بھائی عارف کے نام کر چکا ہے اس کے کرائے میں نصف حصہ آنسہ کا ہے جس سے وہ اپنی پڑھائی کر رہی ہے لیکن اس کا بھائی اور بھابی اس کا حصہ ہڑپ کرنے کے چکر میں ہیں کہانی دلچسپ موڑ تک پہنچ چکی ہے، شایان نے آنسہ سے بدلہ لینے کی قسم کھائی ہے کہ اس کی وجہ سے اس کو جیل جانا پڑ گیا تھا، کہانی نیا موڑ لیتی نظر آ رہی ہے جب شایان ہیروئین آنسہ پر وار کرے گا تو ہیرو انس یقینی طور پر برداشت نہیں کرے گا اور بچپن سے ظلم سہنے والا انس ایک جرات مند نوجوان کے طور پر سامنے آئے گا، انس کے کردار میں فرحان سعید بہترین اداکاری کر رہے ہیں کچھ مبصرین کا خیال ہے کہ وہ ایک سٹوڈنٹ کے کردار میں نہیں جچ رہے وہ دیکھنے میں تیس سال سے اوپر کے لگ رہے ہیں اسی طرح ثنا جاوید کو بھی یونیورسٹی کی سٹوڈنٹ دکھایا گیا ہے حالانکہ وہ زندگی کی 36 سے زائد بہاریں دیکھ چکی ہیں۔ان باتوں کے باوجود کہانی اتنی شاندار ہے کہ ڈرامہ سیریل ،، بس تیرا ساتھ ہو،، ان دنوں ناظرین کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔

خاک جو سرخرو نہیں ہوتی
عشق کی آبرو نہیں ہوتی
ملنے کے تو بہانے ہوتے ہیں
ملنے کی آرزو نہیں ہوتی
ایک دوجے کو دیکھتے رہنا
جب تلک گفتگو نہیں ہوتی
اور بھی ہیں حسیں زمانے میں
ہر طرف تو ہی تو نہیں ہوتی

(عماد بخاری)

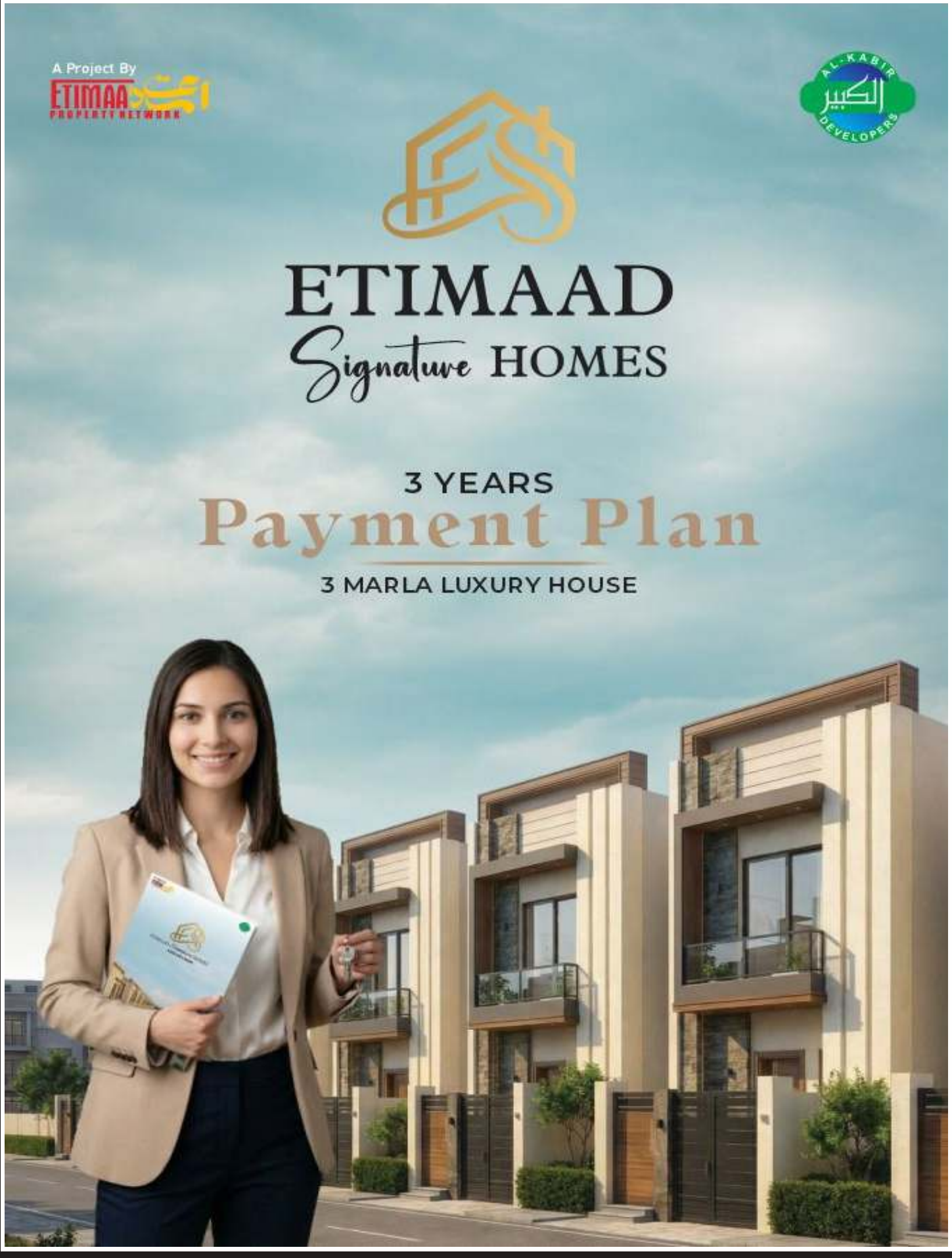

ISSN # : 3080-9746